مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ابوداؤد)

"جس مسلمان نے کسی اور قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ انہی میں شمار ہوگا"

جہیز کی تباہ کاریاں

تالیف

حافظ مبشر حسین لاہوری

مبشر اکیڈیمی
لاہور پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

جہیز
کی
تباہ کاریاں
www.KitaboSunnat.com
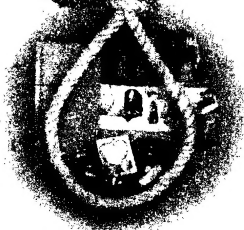
قرآن وحدیث اور فکرِ سلف کی ترجمان

نام کتاب ---------- جہیز کی تباہ کاریاں
مصنف ---------- حافظ مبشر حسین لاہوری
تاریخ اشاعت ---------- دسمبر 2004ء
تعداد ---------- 1000
قیمت ---------- 60روپے
کمپوزنگ ---------- ندیم شکیل
سرورق ---------- امجد

ہمارے اسٹاکسٹ : لاہور ① نعمانی کتب خانہ ② مکتبہ قدوسیہ ③ اسلامی اکادمی ④ کتاب سرائے اردو بازار [⑤ معارف اسلامی، منشورات منصورہ] گوجرانوالہ مکتبہ نعمانیہ اردو بازار سیالکوٹ الفرقان اسلامک سنٹر بانو بازار فیصل آباد مکتبہ اسلامیہ بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ کراچی ① قدیمی کتب خانہ آرام باغ ② علمی کتاب گھر اردو بازار ③ مکتبہ نور حرم ۶۰ نعمان سنٹر راشد منہاس روڈ گلشن اقبال راولپنڈی ① کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار ② بک سنٹر حیدر روڈ صدر ③ النور اسلامک بکس ۴۵ سنگا پور پلازہ کینٹ اسلام آباد ... F8 مرکز پشاور معراج کتب خانہ

E-Mail: mubashir_lahori@hotmail.com PH: 0300 4602878

ناشر: مبشر اکیڈمی لاہور

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ابوداؤد)

"جس مسلمان نے کسی اور قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ انہی میں شمار ہوگا"

جہیز کی تباہ کاریاں

تالیف

حافظ مُبشّر حسین لاہوری

ناشر: مُبشّر اکیڈیمی

لاہور پاکستان:

آئینہ کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

شادی بیاہ کے موقع پر والدین کا اپنی بچی کو تحائف دینا کبھی معیوب نہیں سمجھا گیا مگر جب سے ان تحائف نے مروجہ رسم جہیز کی شکل اختیار کرلی تب سے پاک و ہند کے مسلمانوں کے لئے بے شمار معاشرتی مسائل نے جنم لے لیا۔ جہیز کی مروجہ شکل دراصل ایک ہندووانہ رسم ہے۔ اس رسم کی شکل یہ ہے کہ بچی کو اس کے والدین شادی کے موقع پر حسب توفیق زیادہ سے زیادہ گھریلو ساز و سامان مہیا کردیتے ہیں اور پھر اسے طے شدہ رواج کے مطابق حق وراثت سے محروم کردیا جاتا ہے۔ ہندووانہ معاشرے میں یہ رسم اتنی عام ہوئی کہ شادی کے موقع پر بچی کو والدین کی طرف سے جہیز کا سامان مہیا کرنا شادی کا لازمی حصہ تصور کرلیا گیا حتی کہ والدین کے لیے اس وقت تک بچیوں کی شادی کرنا ممکن نہ ہوتا جب تک کہ مطلوبہ سامان جہیز تیار نہ ہوجاتا اور اگر غربت کی وجہ سے کسی بچی کے والدین اس کا سامان جہیز تیار نہ کرپاتے تو نتیجۃً اس سے شادی کرنے کے لیے کوئی تیار نہ ہوتا۔ چنانچہ چاروناچار والدین کو ہر بچی کے لیے پورے گھر کا سامان اپنی طرف سے جمع کرنا پڑتا۔

یہ صورتحال آج بھی اسی طرح موجود ہے۔اس پر طرہ یہ کہ یہی رسمِ جہیز مسلمانوں میں بھی اسی شکل میں رواج پا چکی ہے جس شکل میں یہ ہندو معاشرے کا کلچر تھی۔ظاہر ہے ہر شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی ہر بچی کو ٹرک بھر کر سامانِ جہیز مہیا کرے۔چنانچہ جہیز نہ ہونے کی وجہ سے بچیوں کی شادیوں میں رکاوٹیں پیدا ہونے لگیں اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ یا تو بعض غریب والدین اپنی بچیوں کو خود اپنے ہاتھوں مار ڈالتے یا پھر ان کی بچیاں حالات کی سنگینی اور والدین کی غربت و مجبوری کے پیش نظر خود کشی کر لیتیں۔اور ایسی مثالیں تو بے شمار ہیں کہ جہیز میں تھوڑا سامان لانے کی وجہ سے بے رحم اور سنگ دل سسرال والے پُراسرار طریقے سے ایسی بہو کو اگلے جہان پہنچا دیتے ہیں......!!

ماں باپ اپنی بیٹی کی شادی کا فرض پورا کرنے اور بھائی اپنی بہنوں کا گھر بسانے کے لیے اس معاشرتی رسم کو بادلِ نخواستہ نبھانے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کے لیے انہیں جان جوکھوں میں ڈالنا پڑے، پیٹ کاٹنا اور مشقت برداشت کرنا پڑے یا حرام اور ناجائز ذرائع سے مال اکٹھا کرنا پڑے وہ یہ سب کچھ کر گزرتے ہیں۔حتی کہ ایسی بھی بعض مثالیں سامنے آئیں کہ خون اور گردے بیچ کر بچیوں کے جہیز کے لیے رقم حاصل کی گئی......!!

یہ تو تھی ان لوگوں کی صورتحال جنہیں کسی نہ کسی طرح اپنی بچیوں کے ہاتھ پیلے کرنا ہیں جب کہ دوسری طرف صورتحال یہ ہے کہ لڑکا اور اس کے والدین لڑکی کے انتخاب میں جہیز ہی کو سرفہرست رکھتے ہیں حتی کہ انتہائی بے شرمی سے جہیز کا مطالبہ اس طرح کیا جاتا ہے جس طرح کہ یہ لڑکے یا اس کی ماں (ساس) کا حق ہے اور جہاں سے جہیز نہ ملنے یا تھوڑا جہیز ملنے کا خدشہ ہو اس گھر کا راستہ ہی لوگ بھول جاتے ہیں۔ایسے موقع پر غریب والدین اور ان کی جوان بچیوں پر جو گزرتی ہے پتھر دل لوگ اس کا اندازہ کرنے سے قاصر ہیں!

شادی بیاہ کے موقع پر جہیز کا مسئلہ پاک وہند کے اہم ترین مسائل میں سے ایک

ہے۔اسلام کو ساری انسانیت کے لیے آسان ترین دین سمجھنے والے ایک عام مسلمان سے لے کر سماجیات وعمرانیات کے ماہر ترین شخص تک ہر درددل رکھنے والا عقلمند مروجہ رسم جہیز کی تباہ کاریوں سے پریشان ہے۔اور یہ حقیقت ہے کہ مروجہ رسم جہیز کا خاتمہ فی الواقع انسانیت کے لیے بہت بڑی خدمت ہے۔اسی جذبۂ خدمت کے پیش نظر راقم الحروف نے کتاب ہذا کو ترتیب دیا ہے۔

زیر نظر کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔پہلے باب میں چند سچے واقعات پر مشتمل بعض ایسی تحریریں شامل کی گئی ہیں جن سے مروجہ رسم جہیز کی معاشرتی تباہ کاریوں پر براہ راست روشنی پڑتی ہے۔اس کے بعد دوسرے باب میں جہیز کی شرعی حیثیت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور اس کی حدود وقیود واضح کی گئی ہیں۔جب کہ تیسرے باب میں جہیز کے حوالے سے لوگوں میں پائے جانے والے مختلف شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔بالخصوص ان لوگوں کے نظریات کی بھرپور تردید کی گئی ہے جو جہیز کو 'سنتِ رسول' قرار دینے پر بضد ہیں۔چوتھے باب میں جہیز کی شرعی حیثیت کے حوالے سے چند جید علماء کے فتاوی جمع کیے گئے ہیں۔

مسئلہ جہیز کے حوالے سے اگرچہ یہ ایک چھوٹی سی کاوش ہے۔لیکن اگر اسے سنجیدگی سے پڑھا، پڑھایا اور عوام میں پھیلایا جائے تو امید ہے کہ یہ لوگوں کی سوچ میں مثبت تبدیلی کا باعث ثابت ہوگی۔بالخصوص اس کتاب کو معاشرے کے ان افراد تک ضرور پہنچایا جانا چاہیے جو جہیز کی تباہ کاریوں سے بے خبر ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں غیر اسلامی رسم ورواج سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

محتاج دعا

حافظ مبشر حسین
0300.4602878

باب......[1]

مروجہ جہیز کی تباہ کاریاں!

اِس باب میں چند ایسی تحریریں شامل ہیں جن کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے ہاں جہیز کی جو شکل رواج پاچکی ہے وہ نہایت تباہ کن ہے! ...... غریب اور متوسط گھرانے کس طرح جان جوکھوں میں ڈال کر جہیز کاسامان تیار کرتے ہیں...... ؟ جہیز کاسامان مہیا نہ کر پانے والے غریب والدین اوران کی بچیوں سے ہمارا معاشرہ کیا سلوک کرتا ہے ...... ؟ لڑکے والوں کو جہیز کی کس قدر لالچ ہوتی ہے......؟ آئندہ صفحات میں خون دل سے لکھی جانے والی چند تحریروں کی روشنی میں ان حقائق کو آشکار کیا گیا ہے، شاید کہ اس سے ہماری سوچ میں مثبت تبدیلی پیداہو...... [مصنف]

جہیز...... اور بے سہارا بچیاں!

میں اکثر کہتا ہوں کہ ہم اخبارات میں کالم اور مضمون لکھنے والے معاشی اور معاشرتی سے زیادہ سیاسی مسائل پر زور دیتے ہیں جب کہ ایک خاص طبقے کو چھوڑ کر باقی عام لوگ ان بحثوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے۔ ان کے مسائل ان کا دردِ سر نہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت پاکستان میں ۸۰ لاکھ سے ایک کروڑ تک شادی کے قابل بچیاں ہیں لیکن معاشرتی اور معاشی عوامل کی وجہ سے ان کی شادیوں میں تاخیر ہو رہی ہے۔ ہم نے بطور قوم اس مسئلے کی سنگینی اور اہمیت کا احساس کیا ہے اور نہ اس کا کوئی حل کسی سطح پر سوچا گیا ہے۔ آج میں دو خط شائع کر رہا ہوں۔ دونوں خط چار چار بہنوں نے سرگودھا اور اسلام آباد سے لکھے ہیں۔ بدیہی وجوہات کی بنا پر میں ان کے نام اور پتے شائع نہیں کر رہا۔ سرگودھا سے آنے والا خط ان بچیوں نے (واقعی) اپنے خون سے لکھا ہے۔ دوسرا خط ان بیٹیوں نے اصلاً چیف جسٹس پاکستان اور دوسرے فاضل جج صاحبان کے نام لکھا ہے لیکن اس کی کاپی مجھے ارسال کی ہے۔ چونکہ شادی پر ون ڈش کھانے کی اجازت کا مسئلہ عدالت عظمٰی کے سامنے پیش ہے، یہ خط اسی کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔

یہ دونوں خط جن گھمبیر اور دل ہلا دینے والے معاشرتی مسائل کو اجاگر کرتے ہیں ان پر مزید کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا لیکن ان سے واضح ہوتا ہے کہ معاشرے میں بچھڑے ہوئے اور محروم طبقات اور خاندانوں کی اعانت کا کوئی باضابطہ ادارتی انتظام نہ ہونے سے لاکھوں کروڑوں گھرانے کس قسم کی اذیت اور ذہنی کرب کا شکار ہیں۔ شاید ان خطوط کی اشاعت کسی سطح پر زیر نظر معاشرتی مسائل کے حل کی ضرورت کا احساس بیدار

کردے اور ہم بے زبان و بے سہارا بچیوں کی دعائیں لے سکیں۔

اب سرگودھا سے آنے والا پہلا خط ملاحظہ فرمائیے......:

پیارے بابا جانی ارشاد احمد حقانی صاحب، السلام علیکم!

بابا جانی ہم چار بہنیں ہیں ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ باپ کو فوت ہوئے آٹھ سال ہو گئے ہیں۔ ہماری ماں نے بڑی قربانیاں دے کر ہمیں جوان کیا ہے۔ اس ظالم معاشرے نے ہمارے آنسو پونچھنے کی بجائے دو وقت کی روٹی کے بدلے آٹھ سال تک ہماری ماں کو دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا ہے۔ بابا جانی ہماری ماں ہمیں جینے کے قابل بنا کر خود کئی خطرناک بیماریوں کو دامن میں سمیٹے بستر مرگ سے جا لگی ہے۔ ہم بہنیں محلے کے بچوں کو ٹیوشن اور قرآن پڑھا کر سر چھپائے بیٹھی ہیں۔ کسی مجبوری کے تحت باہر نکلیں تو اس ظالم معاشرے کے شیطان اور درندے باچھیں کھولے ہمارے آنچل نوچنے کو تیار بیٹھے ہیں۔

بابا جانی ہم نے یہ خط اپنے خون سے لکھا ہے آپ اسے اپنے کالم میں چھاپیں۔ ہے کوئی ہمارا بھائی جو محمد بن قاسم بن کر آئے اور ہمارے ہاتھ پیلے کر جائے تا کہ ہم معاشرے میں عزت کی زندگی بسر کر سکیں اور ہماری ماں سکون سے مر سکے۔ بابا جانی اگر آپ نے ہمارا ساتھ نہ دیا تو یہ ظالم درندے ہمارا سب کچھ لوٹ کر ہماری دنیا اندھیر بنا دیں گے اور پھر ایک دن انصاف اللہ کی بارگاہ میں ہوگا۔ آپ کی خدمت میں ڈھیروں سلام اور دعائیں۔

اب اسلام آباد سے آنے والا دوسرا خط ملاحظہ فرمائیے:

ہم جانتی ہیں کہ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے اور آپ جس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں آپ کو بیٹیوں کی شادی کے مسئلے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی ہوگی مگر آپ ہمارے اس خط کو ضرور پڑھیں اللہ تعالیٰ آپ کا اقبال بلند کرے، آپ ہماری بات پر ہمدردانہ غور فرمائیں۔

ہم چار بہنیں ہیں ماں باپ سفید پوش ہیں پہلے ہی مقروض ہیں۔ میں نوکری بھی کر رہی ہوں۔ میں کمپیوٹر پر کام کرتی ہوں یعنی کہ کمپوزنگ وغیرہ مگر پھر بھی گھر کا خرچہ پورا نہیں ہوتا۔ بجلی، پانی، گیس اور ٹیلی فون کے بل کی ادائیگی کے بعد ہم اس قابل بھی نہیں ہوتے کہ

گھر میں بڑا گوشت پکا سکیں۔ روزانہ دال سبزی پر گزارا ہوتا ہے۔ ان حالات میں ہمارے ماں باپ ہماری شادی کے لیے شادی ہال اور بارات کو مرغے کھلانے کا کیسے انتظام کریں۔ ہم شادی کے انتظار میں بوڑھی ہو رہی ہیں۔ معاشرہ، دین اور والدین کی عزت اجازت نہیں دیتی کہ ہم گھر سے بھاگ جائیں اور کہیں شادی کر لیں۔ ناجائز تعلقات قائم کرنے کے لیے تو ہم کو بڑی بڑی رقموں کی آفرز ہوتی ہیں مگر شادی کرنے کے لیے ہمارے والدین سے بارات کے کھانے اور جہیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شادی مہنگی اور زنا سستا ہے۔ غریب تو کسی نہ کسی طرح اس مسئلہ سے نپٹ لیتے ہیں۔ مگر سفید پوش اور درمیانہ طبقہ کی لڑکیاں اس ظلم کی چکی میں پس کر رہ گئی ہیں۔ کبھی کبھی دل کرتا ہے کہ گھر سے بھاگ کر کہیں پیشہ کر لوں تاکہ چھوٹی بہنوں کی شادی اور جہیز کے لیے رقوم اکٹھی کر سکوں...... کہتے ہیں کہ اسلام میں لڑکی والوں پر کوئی بوجھ نہیں ہوتا مگر ہمارے مولوی یہ بات نہیں بتاتے۔ کاش ہم کسی عرب ملک میں پیدا ہوئی ہوتیں جہاں ہمارے والدین کو ہماری وجہ سے ٹی بی نہ لگتی اور ہم شادی کے انتظار میں بوڑھی نہ ہوتیں۔

آپ سے استدعا ہے کہ ہماری طرح لاکھوں بیٹیوں کو مدنظر رکھیں اور ان ظالم رسومات اور ان کو پروان چڑھانے والوں سے اس معاشرے کو پاک صاف کریں۔ ہمدرد دواخانہ کے بانی جناب حکیم محمد سعید صاحب نے صحیح کہا تھا کہ ان کا بس چلے تو شادی ہالوں کو آگ لگا دیں۔ پولٹری فارم اور شادی ہال کے مالکوں کو اللہ پر بھروسہ نہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ رزق دے گا۔ شادی ہال تعلیمی اداروں میں تبدیل کریں تو فائدہ بھی ہو اور غریبوں کی عزت بھی بچ جائے۔ اللہ ہمارے علماء کو بھی ہدایت دے، سیاست پر بہت باتیں کرتے ہیں، داڑھی نہ رکھنے اور پردہ نہ کرنے پر دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا فتویٰ جاری کر دیتے ہیں لیکن بیاہ شادی کی غیر اسلامی رسومات کو خود پروان چڑھاتے ہیں، نکاح پڑھانے کی اچھی خاصی رقم لیتے ہیں۔ خوب کھانا کھاتے ہیں خواہ کھانا کھلانے والے کا مال مشکوک ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک لقمہ حرام کھانے سے چالیس دن کی نمازیں ضائع ہو جاتی ہیں اور

کھانے والے باراتی ذرہ برابر بھی نہیں سوچتے کہ لڑکی والوں نے سود پر قرضہ اٹھا کر...... بھیک اور زکوٰۃ اکٹھی کر کے کھانا پکایا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو ہمارے جیسے حالات سے بچائے...... **اگر آپ کی بھی چار بیٹیاں ہوتیں اور آمدن محدود ہوتی اور اوپر سے جہیز اور بارات کے کھانے کا پرزور مطالبہ درپیش ہوتا تو آپ ہماری مشکل کا اندازہ کرتے۔** آپ سے درخواست ہے کہ بیاہ شادی کو آسان بنائیں تاکہ معاشرے سے برائیاں ختم ہوں اور یہ دولت کی نمائش جو زہر قاتل ہے اس کا خاتمہ ہو۔

ایک بڑی اچھی تجویز اخباروں میں آئی تھی کہ شادی صرف جمعہ والے دن عصر اور مغرب کے درمیان مسجدوں میں ہوا کرے گی اور وہیں سے رخصتی ہوا کرے گی۔اس پر عمل ہو جاتا تو شادی پر فیشن پریڈ اور میک اپ کا خرچہ ختم ہو جاتا۔کیا عجیب رسم ہے کہ لڑکے والے کھانا کھلانے کے بجائے چھوارے لے آتے ہیں۔کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ چھوارے لڑکی والے لائیں اور لنچ بکس (وہ بھی مخصوص ہوں) لڑکے والے دیا کریں......اللہ تعالیٰ نے تو لڑکی کو رحمت کہا ہے۔مگر یہاں پر دو چار لڑکیاں پیدا ہو جائیں تو ماں باپ خودکشی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔لڑکی والوں کا قصور کیا ہے کہ وہ اس کو رخصت کرنے کے لیے اپنی پونجی لگائیں اور قرض کا بوجھ اٹھائیں،گھر سے کوڑا کرکٹ اٹھانے کے لیے بھنگی پیسے لیتا ہے اور ہم لڑکیوں کو اٹھانے کے لیے، یہ مہذب بھنگی...... جہیز اور بارات کے کھانے کی شکل میں...... پیسے مانگتے ہیں۔کیا اللہ تعالیٰ نے ہم کو کوڑا کرکٹ پیدا کیا ہے؟

خدا کے لیے اس معاشرے کو ٹھیک کرنے کے لیے سخت قانون بنائیں اور اس پر عمل درآمد کروائیں اور ہم جیسی غریب لڑکیوں کی دعائیں لیں۔نواز شریف نے ایک اچھا کام کیا تھا جس کی بدولت وہ آج مکہ اور مدینہ میں رہتا ہے۔اگرچہ اس پر عمل صحیح طرح نہیں ہوا۔مسئلہ تو یہ ہے کہ سخت قانون بنائیں اور اس پر عمل کروائیں نہ کہ اس کو ختم کروائیں۔ آپ کے بیانات پڑھ کر دل دھڑکتا ہے کہ کہیں آپ یہ قانون ختم نہ کرا دیں۔

خدارا! شادی بیاہ پر دعوت کے خاتمے کے ساتھ ساتھ جہیز لینے پر بھی کڑی سزا دیں۔ شریعت کورٹ نے سود کے خلاف تو بڑے زور وشور سے فیصلہ دیا ہے[اور اب تو اسے بھی پس پشت ڈال دیا گیا ہے، مصنف] حالانکہ جہیز اور بارات کا کھانا، دولت کی نمائش معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ اور ناسور ہے۔ اس پر وہ کیوں خاموش ہیں؟! آپ اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے جہیز اور بارات کو ختم کر کے اسلامی طریقے سے شادی کا قانون نافذ کریں۔ اور اس سلسلہ میں اینٹی جہیز کمیٹیاں بنا کر اور چھاپے مار کر اس لعنت سے نجات دلائی جائے۔ لڑکیوں کے ماں باپ تو اپنی بیٹیوں کو طعنوں سے بچانے کے لیے جہیز دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ لڑکی والے خوف اور سسرال کے طعنہ کے ڈر سے جہیز دیتے ہیں کوئی خوشی سے نہیں دیتا۔ قانون بنا کر توڑنے والے کو اللہ تعالیٰ ضرور سزا دیتا ہے۔ آپ حکومت کو مجبور کریں کہ کھانا نہ دینے کے حکم پر سختی سے عمل کروائے اور کڑی سے کڑی سزا دے ...... یہ دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے اور اس سے دہشت گردی کے قانون کے تحت ہی نپٹا جائے۔ آپ سے پر زور اپیل ہے کہ آپ ہمارے اس خط کو ہماری دوسرے بہنوں کی آواز بھی سمجھتے ہوئے ہمدردانہ غور فرمائیں اور معاشرے کو اس لعنت سے نجات دلا کر لاکھوں بیٹیوں کی دعائیں لیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اقبال بلند کرے۔ والسلام ۔۔۔ قوم کی مظلوم بیٹیاں۔[1]

(۱) [روزنامہ جنگ ۲۰ راگست ۲۰۰۲ء کالم نگار: ارشاد احمد حقانی ...... بشکریہ: جہیز و بارات کے خلاف برسر پیکار "تحریک صراط مستقیم" لاہور، پاکستان]

اور وہ دُلھن نہ بن سکی ......!

جون 1984ء کی ایک تپتی جھلتی دوپہر تھی۔ایک آدمی صف اٹھائے گھوم رہا تھا کہ کوئی اسے خرید لے اور یوں واپسی کا کرایہ اور روٹی کا بندوبست ہو جائے۔جب وہ ہر طرح سے صف فروخت کرنے میں ناکام ہو گیا تو حکیم عبدالعزیز صاحب فیروز پوری سے کہنے لگا: آپ یہ صف خرید لیں، مجھے 40 روپے کی ضرورت ہے اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔حکیم صاحب نے 40 روپے اسے دیتے ہوئے کہا کہ یہاں رکھ دو کوئی اس پر نماز ہی پڑھ لیا کرے گا۔نہ قیمت پر بحث نہ ٹال مٹول اور نہ بحث مباحثہ،فوراً 40 روپے ملنے پر وہ بہت متاثر ہوا اور دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

اس کے بعد وہ آتے جاتے اور ادھر سے گزرتے ہوئے ضرور مل کر جاتا۔ایک دن جب اس سے پوچھا کہ تم نے کوئی مستقل کام کیوں نہ کیا تو اس نے بتایا کہ خاندانی دشمنی کی بنا پر مجھے ایک عرصہ جیل میں گزارنا پڑا،ابھی کچھ عرصہ پہلے رہائی ملی ہے تو جیل سے باہر آنے کے بعد میں نے یہی کام شروع کیا ہے اور زندگی کی گاڑی کو دھکا لگا رہا ہوں۔
پھر وہ جیل میں ایک ۷۰ سالہ بوڑھے بابا کا واقعہ سناتے ہوئے کہنے لگا: میں نے وہاں ایک ضعیف العمر بابا کو دیکھا کہ جس کی عمر تقریباً ۷۰ سال تھی وہ ہر وقت روتا رہتا تھا،اس کا سینہ آگ پر پکنے والی ہنڈیا کی طرح ابلتا رہتا تھا اور وہ آہیں بھرتا اور سسکیاں لیتا رہتا تھا۔مسلسل رونے کی بنا پر اس کی آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں اور آنکھوں کے گرد بن

جانے والے حلقے نمایاں تھے۔ چہرے پر گہری جھریاں، ہاتھ کپکپاتے اور نظر کمزور ہو چکی تھی۔ ایک دن میں نے بابا کو رونے سے روکنے کی بھرپور کوشش کی اور اس سے ہنسی مذاق کی خوشگوار باتیں کیں لیکن بابا پر کچھ اثر نہ ہوا، ایسے لگا جیسے بابا اندر سے بالکل ٹوٹ پھوٹ چکا ہو، اس کے ہونٹوں پر آہوں، سسکیوں اور آنسوؤں نے بسیرا کر لیا ہو۔

میں نے ناکام ہو کر کہا: بابا جی! کبھی ہنسا ہنسایا بھی کرو، اپنے خول سے باہر بھی نکلا کرو یہ کیا بات ہوئی کہ ہر وقت بچوں کی طرح کانپتے لرزتے روتے رہتے اور آنسو بہاتے رہتے ہو، اگر کوئی ایسا معاملہ ہے تو ہمیں بھی تو پتہ چلے کہ تم نے ہر وقت رونے دھونے کو اوڑھنا بچھونا کیوں بنا رکھا ہے اور مسکراہٹوں کو کیوں رخصت کر رکھا ہے؟ تا کہ ہم تمہاری مدد کر سکیں ...... بابا نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سر اوپر اٹھایا اور جھکی ہوئی، ڈھلکی ہوئی پلکوں کو سکیڑتے ہوئے کہنے لگا: میرے ساتھ سانحہ ہی ایسا پیش آیا ہے کہ جسے بیان نہیں کیا جا سکتا، اس سانحے نے میری زندگی کو دہکتا کوئلہ بنا دیا ہے، جو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو کر راکھ بن کر ختم ہو جائے گا......! میں نے اس بابے کا یہ جواب سنا تو تفصیلات جاننے کے لیے لاکھ جتن کر لئے لیکن بابا نے اپنے ہونٹوں پر قفل خاموشی چڑھا لیا کہ جو ٹوٹنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ ایک ہفتہ کی مسلسل منت سماجت اور اصرار کے بعد ایک دن بابا نے ہتھیار ڈال دیئے اور یوں اپنے دل کی ویران وسنسان کوٹھری کا مدفون راز افشا کر دیا۔ اس کی آواز میرے کانوں سے یوں ٹکرائی جیسے کسی گہرے کنویں سے آ رہی ہو اور پھر جلدی ہی ڈوب جاتی ہو۔ بابا ماضی کی پگڈنڈیوں پر دوڑ رہا تھا اور گویا تھا کہ

میں اپنے گاؤں کا باعزت، رعب دار اور لوگوں کے مسائل اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے والا چوہدری تھا۔ تھوڑی سی میری زمین تھی۔ دو کمسن بچیاں چھوڑ کر بیوی فوت ہو گئی۔ وقت پر لگا کر گزر گیا، بچیاں جوان ہو گئیں تو ان کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی اس دوران ایک لڑائی جھگڑے میں میرا اکلوتا بیٹا قتل ہو گیا تو میری کمر ٹوٹ گئی۔ جوان بچیوں کو دیکھ کر میں سوچ میں پڑ گیا کہ اگر میں انتقام لیتا ہوں تو جیل چلا جاؤں گا، تو پھر ان پھول سی بیٹیوں کا کیا بنے گا کہ

جنہوں نے زندگی ماں کی محبت کو ترستے گزار دی، وہ یوں باپ کی محبت اور سائے سے بھی محروم ہو جائیں گی۔ یوں میں نے بچیوں کی عزت کی خاطر اور ان کے ہاتھ پیلے کرنے کی خاطر بچے کی ہلاکت وجدائی کا غم اندر ہی اندر پی لیا اور اس کے قاتلوں سے کوئی باز پرس نہ کی۔

اب میں نے بچیوں کے لیے رشتہ ڈھونڈنے کے لیے بھر پور جدو جہد شروع کر دی۔ لوگ میرا نام سن کر خوشی خوشی بچیوں کو دیکھنے آتے۔ میری بچیاں جہاں صحت مند، خوبصورت اور چاند کا ٹکڑا تھیں وہاں ہی شرم وحیاء کا حسن بھی ان کو بھر پور اللہ تعالیٰ نے عطا کر رکھا تھا۔ ہر کوئی پہلی نظر میں ہی بچیوں کو پسند کر کے ان کے محاسن کے گن گانے لگتا، لیکن جب دیکھتے کہ اتنے نامی گرامی چوہدری کی بیٹیاں ہیں، خوبصورت، خوب سیرت ہیں لیکن جہیز کا کہیں دور تک نام ونشان نظر نہیں آتا تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے جواب دے کر گھر سے چلے جاتے۔ لوگوں سے کہتے کہ بچیاں تو پسند ہیں لیکن ان کے پاس جہیز میں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ چوہدری اسلم نے دوسرے گاؤں کے چوہدری یوسف خاں کے ہاں رشتہ کی بات چلائی کہ جس کے دو جوان بیٹے شادی کے قابل تھے۔ چوہدری فیملی سمیت آیا اور بچیاں پسند کر کے بات پکی کر دی لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد اپنے موقف سے پھر گیا کہ آپ کے ساتھ ہمارا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا میں نے اس کی منت سماجت کی کہ میری بچیوں کو صرف جہیز نہ ہونے کی بنا پر ٹھکرا کر نہ جاؤ، تمہارے دو بیٹے میری دو بیٹیاں ہیں۔ دونوں بہنیں ایک جگہ رہ کر بہت خوش رہیں گی۔ رہی جہیز کی بات تو میں اس کا انتظام کرلوں گا۔ یوں بات رفع دفع ہوگئی اور شادی کی تاریخ پکی ہوگئی۔ یہ صورتحال دیکھ کر میں نے کچھ قرض پکڑ کر ضروریات زندگی پر مشتمل زمانے کے اعتبار سے ایک مختصر سا جہیز تیار کیا۔

آخر گن گن کر دن کٹے۔ میری بچیاں کہ جنہوں نے ماں کے مرنے کے بعد خوشی کے دن نہ دیکھے تھے، اپنے گھر بستے دیکھ کر نہایت شاداں وفرحاں تھیں، خوشی ان کی باتوں اور آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ گاؤں کی بوڑھیاں ان ماں کے سائے سے محروم بچیوں کے

سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ کر صدا سہاگن کی دعائیں دے رہی تھیں جبکہ ہمجولی بچیاں اور سہیلیاں مبارکبادیں دے رہی تھیں۔ انہی مسحور کن اور خوشگوار لمحات میں دن گزرنے کا پتہ نہ چلا اور شادی کا دن آ گیا۔ اب میری بچیاں بجی سنوری، شرم وحیا کے زیور میں ملبوس، ایسے پرمسرت موقع پر ماں کی عدم موجودگی اور جدائی کا گھاؤ دل پر لگائے شادی کا سرخ جوڑا پہنے مستقبل کے سہانے سپنوں میں کھوئی بیٹھی تھیں کہ اچانک مولوی صاحب رجسٹر لئے پہنچ گئے اور دونوں بچیوں سے ایجاب وقبول اور دستخط کے بعد باہر چلے گئے۔ نکاح کی کارروائی مکمل ہو چکی تھی، چھوہارے اور پتاسے تقسیم کئے جا رہے تھے، چوہدری اسلم نے اتنی بڑی بارات کی خدمت اور کھانے کا بندوبست اپنی زمین کا ایک قطعہ بیچ کر کیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر لوگ چوہدری یوسف کو مبارکبادیں دے رہے تھے کہ تجھے شریف باعزت اور وضع دار خاندان کی دو خوبصورت اور خوب سیرت شرم وحیا کی متوالی، پردہ دار، پڑھی لکھیں اور پابند صوم وصلوٰۃ نیک بچیاں ملی ہیں۔ چوہدری تمہارے بیٹوں کے نصیب جاگ اٹھے۔ دیکھنا! بچیاں تمہارے گھر کو جنت کا نمونہ بنا دیں گی، لوگ تیرے گھر پر رشک کریں گے اور اس کی مثال دیا کریں گے۔ جاتے ہی گاؤں میں صدقہ خیرات ضرور کرنا ورنہ نظر لگنے کا اندیشہ ہے ......بس سمجھو دو چاند کے ٹکڑے اس آنگن کو ویران کر کے مگر اپنی خوشبو یہاں چھوڑ کر تیرے محلات کو رونق بخشتے ہوئے روشن کر دیں گے، ان کے نور سے تمہارے جہاں کا آسمان جگمگا اٹھے گا۔ یہ باتیں زنان خانے میں بھی کسی نہ کسی طرح پہنچ رہی تھیں۔

ایسے موقع پر بچیوں کے دل خون کے آنسو رو رہے تھے، ان کی آنکھیں ویران تھیں، آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں، دل اداس تھا، پورا جہاں سونا سونا اور ویران نظر آ رہا تھا۔ دماغ جہاں مسلسل کرب کی ٹیسیں برداشت کر رہا تھا وہاں کچھ سوچ بھی رہا تھا۔ یہی سوچ تھی جس نے خوشی کے اس موقع پر باپ کے گلشن کے ان پھولوں کو پژمردہ اور مرجھا دیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ ایسے موقع پر پرائی امانت بچیوں کی غمگسار، جانثار محبتیں نچھاور کرنے والی، جھولی پھیلا کر نیلی چھت والے سے کامیابی کی التجائیں کرنے والی اور دعائیں دینے والی

اور اپنے محبت و پیار کے جذبات سے ابلتے جوش مارتے سینے کے ساتھ لگا کر ان کو دولہا تک لے جانے والی ...... سینے سے چمٹا کر دوسرے گھر رخصت کرنے والی اور پھر شفقت بھرا لرزتا ہاتھ بیٹی کے سر پر رکھ کر...... لرزتی زبان سے کہنے والی کہ جاؤ بیٹی اب یہی لوگ تیرے ماں باپ بہن بھائی اور سب کچھ یہی ہیں ...... اللہ تجھے ہمیشہ خوشیوں میں رکھے، تیرے آنگن کو پھول اور کلیوں سے بھر دے۔ جا بیٹی! تیرا اللہ حافظ! ہاں نئے گھر جا کر ہمیں بھی کبھی یاد کرلیا کرنا، بالکل بھلا ہی نہ دینا ہم کو...... ہم تیرے بغیر رہ تو نہیں سکتے لیکن کیا کریں یہ دنیا کی ریت ہے، نبھانی پڑتی ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کا بھی یہی فرمان ہے۔ ہاں تیرے بابا، بہن بھائی اور ہم صبح و شام تیری باتیں اور یادیں تازہ کر کر کے تجھے یاد کرتے رہیں گے .... ایسی ہستی کائنات میں صرف ایک ہی ہے کہ جسے دنیا والے ''ماں'' کے نام سے پکارتے ہیں لیکن اس موقع پر جب خوشیوں کے شادیانے گونج رہے ہیں ہمیں الوداع کرنے والی ہماری ماں کہاں ہے؟...... ہمیں کون دعائیں دے گا...... کون ہمیں سینے سے لگا کر سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ کر رخصت کرے گا...... ماں تو بچپن کی ہی قبرستان کی باسی بن چکی ہے ...... یہ سوچ کر ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے ...... سہیلیاں ان کو دلاسا دے رہی تھیں اور سمجھا رہی تھیں کہ ایسے موقع پر یہ رونا دھونا اچھا نہیں ہوتا ...... ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بچیوں کے باپ چوہدری اسلم کے رونے کی آواز اندر آئی .... لڑکیوں کا دھیان فوری بدنصیب مرحوم ماں سے ہٹ کر باپ کی طرف چلا گیا...... ان کا کلیجہ کٹ کر رہ گیا...... کہ ہمارے باپ کے رونے اور چیخنے کی آواز کیوں آئی۔ فوری تمام عورتوں کو خاموش کروایا اور باہر کی شامیانوں سے آنے والی گفتگو کان لگا کر سننے لگیں۔

ان کا باپ چوہدری اسلم گڑگڑا کر چوہدری یوسف سے مخاطب تھا۔ چوہدری یہ ظلم مت کرو! اب تو میری دونوں بچیوں کا تمہارے بیٹوں کے ساتھ نکاح بھی ہو چکا ہے۔ ان نمانیوں کو چھوڑ کر نہ جاؤ ان کو ڈولی میں بٹھا کر اپنے گھر لے جاؤ یہ تمہارا مجھ پر احسان ہوگا۔ اگر آج نکاح کر کے گھنٹے بعد ہی نکاح فسخ کر کے ان کو چھوڑا جاتا ہے تو میں کسی کو منہ دکھانے

کے قابل نہ رہوں گا۔ میری بچیاں اس صدمے سے جی نہ پائیں گی، اللہ کے لیے کچھ رحم کرو۔ لو! یہ میری چودھراہٹ کی عزت، میری پگڑی میں نے تمہارے قدموں میں رکھ دی ہے، ایک چوہدری ہونے کے ناطے اس کی ہی لاج رکھ لو اور میری بچیاں چھوڑ کر نہ جاؤ...... یہ لو میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں، تمہارے پاؤں کو چھوتا ہوں...... میری بچیوں پر یہ ظلم نہ کرنا، ان کو یوں داغدار نہ کرنا...... کچھ دیر بعد چوہدری یوسف کی گرجدار اور غصے بھری آواز آئی: ہم نے جہیز کا سامان دیکھا تو ہمیں پتہ چلا کہ تم انسان کی بچی کو نہیں بلکہ بلی کی بچی کو رخصت کر رہے ہو، یہ دیکھ کر تمہاری اوقات معلوم ہوئی کہ تم اصل میں بے غیرت اور کنجر انسان ہو جبکہ بنے چوہدری پھرتے ہو، تمہیں بوڑھا ہو کر بھی پتہ نہیں چلا کہ جہیز کیا چیز ہوتی ہے اور لڑکیوں کو کس انداز سے رخصت کیا جاتا ہے۔ میں چوہدری تھا سمجھا چوہدری سے رشتہ کروں گا تو میری پگ کو مزید عزت ملے گی لیکن اب مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارے ساتھ رشتہ کرنے کے بعد تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔ کان کھول کر سن لو! اگرچہ نکاح ہو چکا ہے لیکن میں تیری بچیوں کو لے کر ہرگز نہ جاؤں گا میں اپنے بچوں کا کہیں اور رشتہ کر لوں گا۔ اتنے سستے معمولی بیٹے نہیں میرے۔ اگر میں تمہاری باتوں میں آ کر ان کو لے بھی گیا تو جب لوگ جہیز بارات دیکھنے آئیں گے اور وری (بری) کی نمائش کا مطالبہ کریں گے تو میں ان کو کیا جواب دوں گا اور کیا منہ دکھاؤں گا کہ کسی چوہدری کا کسی کمین سے واسطہ پڑا ہے...... لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے ہمارے متعلق......!

بچیوں کے یہ گفتگو سن کر ہوش اڑ گئے اور دل بیٹھے اور سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئیں انہیں ایسے محسوس ہوا کہ یکدم ہوا ختم ہو گئی ہے اور ابھی وہ دم گھٹ کر مر جائیں گی...... چھوٹی بہن عابدہ کے منہ سے حیرانی کے عالم میں صرف اتنا نکلا: باجی کلثوم یہ کیا ہے؟ لیکن پھر اس کی قوت سماعت سے آواز ٹکرائی، ان کا باپ چوہدری دوبارہ گڑگڑا رہا تھا اور کہہ رہا تھا: چوہدری میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں اور ایک بار پھر اپنی پگ تمہارے قدموں میں رکھتا ہوں، میں صرف تم سے اپنی بچیوں کی خوشیوں کی بھیک مانگتا ہوں، ان کو چھوڑ کر نہ جاؤ، دیکھ چوہدری

ان بیچاریوں نے آج تک کوئی خوشی نہیں دیکھی محرومیاں ہی دیکھی ہیں۔اس لئے بچپن میں ہی ان کی ماں ان کو چھوڑ کر دوسرے جہان چلی گئی تھی میں نے ماں اور باپ بن کر ان کو پالا ہے کہ جب ان کے گھر بس جائیں گے تو میں بھی سکون کے ساتھ ان کی ماں کے پاس چلا جاؤں گا۔ مجھے کوئی پریشانی نہ ہوگی۔بس میری اتنی درخواست مان لے کہ میری ان لاڈ پیار اور شفقت کی بھوکی اور ترسی ہوئی بچیوں کو چھوڑ کر نہ جانا......رہی جہیز کی بات تو میں اپنی تھوڑی سی زمین بیچ کر مزید بنادوں گا، کیونکہ مجھے دنیا کی ہر چیز سے یہ کلیاں زیادہ عزیز ہیں، ان کی مسکراہٹوں کے لیے مجھے اپنا آپ بھی بیچنا پڑا تو پیچھے نہ ہٹوں گا۔

پتھروں کو پگھلا دینے والی جذبات سے معمور اس شعلہ بار گفتگو سے چاہئے تھا کہ چوہدری یوسف کا دل نرم ہو جاتا، وہ اپنے فیصلہ میں تبدیلی کر لیتا، بچیوں کے سروں پر باپ کی حیثیت سے ہاتھ رکھتا......لیکن وہاں کیا تھا......چوہدری ایک اعلان کر رہا تھا......باراتیوں اور اپنے دولہا بنے بیٹوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا کہ اپنا سامان اٹھاؤ اور فوری گاؤں واپس چلو!......جبکہ بچیوں کا باپ ہاتھ باندھے روتا جا رہا تھا......اپنے شفیق باپ کی یہ بے عزتی، توہین، تحقیر اور تذلیل دیکھ کر دونوں دلہنوں کے دل چھلنی چھلنی ہو گئے......دل و دماغ میں آندھیاں اور طوفان اٹمڈ آئے......آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا......ہاتھ پاؤں شدت جذبات اور درد والم کی بنا پر تشنج کی طرح اکڑ گئے......آنکھیں پتھرا گئیں اور دماغ تھے کہ یوں محسوس ہو رہا تھا ابھی پھٹ پڑیں گے......اچانک......وضع دار چوہدری کی دلہن بنی، سرخ جوڑا پہنے، بڑی بیٹی کلثوم......اٹھی اور بجلی کی سی تیزی سے الماری سے خنجر نکال لائی ......اور چھوٹی دلہن عابدہ کے پاس آ کر آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگی: اچھا گڑیا: خدا حافظ! میں امی جان کے پاس جا رہی ہوں وہیں ملاقات ہوگی"......اور پھر......ہاتھ اوپر اٹھایا......نیچے آیا......اور خنجر سمیت......سیدھا سینے کی پسلیاں کاٹتے ہوئے......اندر گھس گیا۔خون کا فوارہ ابلا......چیخیں بلند ہوئیں......چند لمحات کی دلہن......اپنے سرخ سرخ خون سے سرخ جوڑے کو مزید سرخ کرتی ہوئی زمین پر دھڑام سے آ رہی......عورتیں چیخیں

ہوئی باہر بھاگیں، ایک ہی سانس میں باپ کو ساری بات بتادی، چوہدری ننگے پاؤں، ننگے سر بھاگتے ہوئے زنان خانے میں پہنچا...... کیا دیکھتا ہے کہ اس کے دل کا ٹکڑا کٹا پڑا ہے "ہائے بیٹی یہ تو نے کیا کیا" کہتے ہوئے اس کا سر اپنی گود میں رکھا...... دھاڑیں مارتا ہوا اپنی بیٹی کو چومنے لگا۔ اچانک بچی کلثوم نے نخیف ونزار آواز نکالی: بابا جان! اور آنکھیں کھول دیں۔ اور آہستہ آہستہ اپنے ہونٹوں کو جنبش دینے کی کوشش کرنے لگی، لکڑی بنی زبان کو تر کر کے بولی: بابا جان! ہم نے سوچا تھا کہ جس گھر میں دلہن بن کر جائیں گے کچھ ایسے انداز سے زندگی بسر کریں گے کہ تیری عزت وتوقیر آسمان کو چھونے لگے، لیکن بابا ہم نہ تیرے گھر پیدا ہوتیں اور نہ یہ دن تجھے دیکھنا پڑتا اور نہ ذلتیں اٹھانی پڑتیں، یہ سب کچھ ہماری وجہ سے ہوا کہ آپ کی پگڑی زمین پر جوتوں پر رکھی گئی اور اسے حقارت سے ٹھوکریں ماری گئیں ...... اس کے مجرم ہم ہیں، اس کی قصوروار ہم ہی تو ہیں کہ جن کی وجہ سے بابا زمانے میں بنی ہوئی اپنی عزت اور شان وشوکت کی عظیم الشان عمارت کو بھی تو قائم نہ رکھ سکا...... وہ ریزہ ریزہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ چونکہ اس ذلت بھرے سانحے کے ذمہ دار ہم ہیں اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے...... میں آپ کے لیے زیادہ ذلت ورسوائی کا باعث نہیں بننا چاہتی...... اس لیے میں نے اپنی پیاری امی جان کے پاس جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب میں وہاں جا کر اپنی ماں سے پیار لوں گی...... اپنی شفقت کی پیاس بجھاؤں گی......

نہیں میری لاڈلی! میری دلہن بیٹی! اس طرح تو تو حرام موت مرجائے گی میں تجھے کہاں ڈھونڈوں گا۔ ابھی ڈاکٹر کو بلواتا ہوں ...... چند لمحات بعد دلہن رخصت ہوگئی......

چوہدری باپ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ غصہ، انتقام اور جوش غالب آ گیا...... پھر اس نے بندوق نکال لی...... اور اپنی چھوٹی بیٹی عابدہ...... دلہن کے لباس میں سرخ جوڑے میں ملبوس چند لمحات قبل بننے والی دلہن کی طرف تان دی...... بیٹی نے مہندی لگے اور چوڑیاں پہنے ہاتھ بے یقینی میں فوری اوپر اٹھائے اور ابھی

اتنا بھی نہ کہہ پائی تھی کہ: بابا جان یہ......!! کہ اتنی دیر میں سنسناتی ہوئی گولی بیرل سے نکل چکی تھی اور پھر وہ مہندی لگے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑتے ہوئے سر میں پیوست ہوگئی بدنصیب دلہن مستقبل کے سہانے سپنے سمیت زمین بوس ہوگئی اور چوہدری کی آنکھوں پر خون سوار ہوگیا اور وہ غصے میں للکارا...... او میری بیٹی کی خوشیوں کے دشمنو! میری بچیوں کے قاتلو! ٹھہرو! میں اب تمہیں وہ کچھ دے کر بھیجتا ہوں کہ جس کا تم لوگوں نے کبھی گمان بھی نہ کیا ہوگا۔ پھر وہ گھر سے نکلا اور سیدھا شامیانوں اور جہاں بارات ٹھہری تھی وہاں پہنچا ،لڑکوں کا باپ چوہدری اپنے بیٹوں سمیت وہاں گردن اکڑائے کھڑا واپسی کی تیاریوں کی نگرانی کررہا تھا، اتنے میں چوہدری اسلم (لڑکیوں کے باپ) نے بندوق چوہدری یوسف کی کنپٹی پر رکھی اور اسے وہیں ڈھیر کردیا، پھر وہ اس کے لڑکوں کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھا کہ...... تم میرے ہونے والے داماد تھے میں تمہارا باپ تھا تم اسے اپنی طرف سے مطمئن کرکے نہ روک سکے لیکن تم بھی باپ کے ساتھ نخوت وتکبر کا بت بن کر تماشا دیکھتے رہے، ایک دفعہ بھی باپ کو نہ روکا اور جہیز کی لالچ میں دنیا کے سامنے میری ذلت کا تماشا دیکھتے رہے حتی کہ میری بیٹیاں کٹ گئیں ...... پھر اس نے ان دونوں کو بھی گولیوں سے بھون ڈالا ......اب وہاں

جہاں بجتی ہیں شہنایاں وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

کے مصداق پانچ لاشیں پڑی تھیں جو بیٹیوں کے باپ کی مظلومیت اور غلط رسموں کا نوحہ کرتے ہوئے بچیوں کے باپ کی اس چیخ وپکار کی نشاندہی کررہی تھیں بقول باپ کہ اگر انہوں نے میرے گھر کو برباد کیا تو میں ان کا گھر بھی تباہ کرکے رہوں گا۔

پھر بابا نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا: بیٹا یہ ہے میری بربادیوں کی داستان! ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے اپنی بچیوں کی لاڈلی شکلیں گھومتی رہتی ہیں۔ ان کی یاد مجھے تڑپاتی ہے، ستاتی ہے، رلاتی ہے، دل چاہتا ہے کہ وہ صرف ایک دفعہ آکر کوئی بات کریں، اپنی چہکار سنائیں، ماضی کی طرح چھوٹی بڑی اور بڑی چھوٹی کی شکایت لگائے، مجھ سے

مطالبہ کریں، مجھ سے ناراض ہوں اور میں ان کو مناؤں، میں ناراض ہوں تو وہ میرے پاؤں دبا کر اور ہنسا کر...... گلے میں معصومیت سے بازو ڈال کر...... مسکراتی شرارتی آنکھوں سے دیکھ کر "جانے دیں بابا" اب بس بھی کریں، بہت ہوگئی ناراضگی، اب مان بھی جائیں ...... نہیں تو ہم آپ سے روٹھ جائیں گی ...... کہہ کر منائیں ...... اور میں فوراً راضی اور خوش ہو جاؤں، مان جاؤں کہ کہیں واقعی روٹھ نہ جائیں ...... لیکن ...... اب تو روٹھ گئے ہیں دن بہار کے ...... لمحات خوشیوں کے ...... اور اب میری بیٹیاں بھی ہمیشہ کے لیے روٹھ چکی ہیں ...... تو ایسے حالات میں مَیں نہ مر رہا ہوں نہ جی رہا ہوں ...... اپنی بچیوں کی یاد میں روؤں نہ تو اور کیا کروں۔ رشتہ دار تو کوئی تھا نہیں برادری نے بھی میری نہ تو کبھی خبر لی ہے اور نہ کسی نے جیل آنے کے بعد میرے کیس کی پیروی کی، اب یہ آنسو، یہ سسکیاں اور یہ آہیں جوان نہ بس سکنے والی دلہنوں کے لیے نکلتی ہیں یہی میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔

اے جوان بیٹوں کے والدین......! مقامِ غور ہے آپ کے لیے اللہ نے امانت بنا کر بیٹے آپ کو دیئے ہیں ...... آپ نے شکر ادا کرنے کی بجائے ان کو مال تجارت بنا چھوڑا...... سوچیں! غور وفکر کریں۔ آپ کے ایسے غلط رویوں کی بنا پر کتنی بیٹیاں دلہن بننے سے پہلے ہی درگور ہو جاتی ہیں ...... اور یہ بھی تو سوچیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی پیاری سی بیٹی دے کر آزمائش میں ڈال سکتا ہے ...... اے قوم کی تقدیر کے مالک بننے والے حکمرانو، قائدو اور لیڈرو! اے رہبران ملک وملت! ...... ان بیچاریوں، دکھیاریوں اور قسمت کی ماریوں اور معاشرے کی دھتکاری کلیوں کو بھی سنو ...... یہ تمہارا گریبان پکڑ کر زبان حال سے یہ کہہ رہی ہیں کہ یہ رسم ورواج "پرم پرا" کلچر وثقافت، تہذیب وتمدن کے یہ غیر شرعی وغیر عقلی گورکھ دھندے تو آپ لوگوں نے چلا رکھے ہیں بلکہ چلوا رکھے ہیں، اپنی حکومتی چھتری کے نیچے ...... لیکن ہمیں یہ تو بتائیں آخر ہمارا کیا قصور ہے، ہم نے کیا جرم کیا ہے؟ کسی کے گھر بیٹی بن کر پیدا ہونے کا جرم ہم نے نہیں کیا ہے، یہ اوپر والے کی دین ہے جس کو جو چاہتا ہے دیتا ہے، پھر ظلم ہم ہی پر کیوں روا رکھا جا رہا ہے ...... یہ ظلم ہم کب تک سہتی رہیں

گی؟......آپ اپنی کرسی اور حکومتیں بچانے کے لیے دن چڑھنے سے قبل ہی قانون بنا دیتے ہیں اور سورج نکلنے کے بعد اس پر قانون کے رکھوالے عملدار آمد کروا دیتے ہیں ......لیکن آپ ہمیں سولی پر چڑھتے اور لٹکتے ایک عرصہ سے دیکھتے چلے آرہے ہیں ......ہماری آہیں چیخیں، سسکیاں، نالے، فریادیں، التجائیں سن کر آپ لوگ کیوں ٹس سے مس نہیں ہوتے؟ کیا آپ کے سینوں میں گوشت پوست کا دھڑکنے والا دل نہیں ......یا وہ پتھر کا بن چکا ہے کہ ......جو اپنی بیٹیوں کا درد محسوس کرنے سے قاصر ہے......ہمیں ہمارا قصور اور جرم کون بتائے گا اور یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا ......کیا آپ نے ساری زندگی خدمت و اطاعت کرنے والی بیٹیوں کی تابعداریوں اور وفاؤں کا یہی صلہ دیا ہے!!؟......جواب دیں![1]

(۱) [بشکریہ: ہفت روزہ 'غزوہ' لاہور (۶، اگست ۲۰۰۴ء) مضمون نگار: محمد طاہر نقاش صاحب حفظہ اللہ]

جهیز کے نام پر بھیک مانگنے کا ایک نمونہ !

[آئندہ سطور میں پیش ہونے والی خط و کتابت دو گھرانوں کے سربراہوں (یعنی علیم اور حامد) کے درمیان ایک رشتہ طے کرنے کے حوالے سے ہوئی جس میں مروجہ رسم جهیز کو معاشرتی ناسور تسلیم کرنے کے باوجود لڑکے والوں نے انتہائی بے شرم انداز میں لڑکی کے غریب والدین سے جهیز کا مطالبہ کیا مگر غریب والدین ان کے مطالبہ کو پورا نہ کرپائے چنانچہ ان کی بیٹی بے شمار خوبیوں سے متصف ہونے کے باوجود محض جهیز نہ ہونے کی وجہ سے ٹھکرا دی گئی. اس خط و کتابت میں جو حقائق سامنے لائے گئے ہیں، ان کے مطابق لڑکوں کے 'والدین' ہی اس رسم جهیز کو پروان چڑھانے کے سب سے بڑے ذمہ دار قرار پاتے ہیں. افسوس ہے کہ ہمارا پورا معاشرہ مجموعی اعتبار سے انہی حقائق کی عکاسی کرتا ہے .اسے پڑھیں اور خدارا کچھ غور کریں !!]

علیم بھائی!

آپ کا خط ملا، آپ نے پہلے جہیز کی فرمائش کے بارے میں جان کاری چاہی ہے یہ تو میں قبل ہی آپ کو بتا چکا ہوں کہ شادی بیاہ کے بُرے رسم ورواج کو پسند نہیں کرتا، تلک یا جہیز کی فرمائش کو مذہبی نقطۂ نگاہ اور سماجی نقطۂ نگاہ سے لعنت سمجھتا ہوں۔ آپ میرے لڑکے یا اپنی لڑکی کو جو دینا چاہیں گے مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ آپ کا یہ کہنا سو فیصد درست ہے کہ

تلک اور جہیز کی لعنت نے کتنے ہی خاندانوں کو تباہ و برباد کیا ہے لیکن ان شاء اللہ میرے یہاں رشتہ کرنے سے آپ اس لعنت سے محفوظ رہیں گے۔ بہر حال یہ رشتہ بہت اعلیٰ ہے آپ کی لڑکی صورت، سیرت اور صحت کے لحاظ سے ہزاروں میں ایک ہے، اس پر علم و عقل، تہذیب و شائستگی ہی سب کچھ ہے ماشاء اللہ! اور آپ نے یہ بہت اچھا کیا قرآن پاک کی قرأت اور تفسیر بھی سکھادی ورنہ اس ماڈرن زمانے کے مسلمان کہاں ان چیزوں کی طرف توجہ دیتے ہیں چنانچہ اس ماڈرن زمانہ میں بھی آپ کی بچی تمام خوبیوں کی مجموعہ ہے اور پھر آپ کا شاندار فیملی بیک گراؤنڈ، میری بیگم کو یہ رشتہ بہت پسند ہے۔ انہوں نے برادری والوں کو بتانے کے لیے آپ سے دریافت کیا ہے کہ جہیز میں سونے کے کون کون سے زیوارت آپ دے رہے ہیں؟

آپ کے جواب کا منتظر

حامد علی!

غریب پرور حامد صاحب!

نوازش نامہ ملا۔ رشتہ کی پسندیدگی کا بہت بہت شکریہ!

غریب والدین کی اولاد اتنی تعریف کی مستحق کہاں؟ میں نے تو دین اور دنیا دونوں کو ملحوظ نگاہ رکھ کر اپنی بچی کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا۔ آج تو ایسے مسلمانوں کی اکثریت ہے جو اب تک تعلیم کی اہمیت کو سمجھ ہی نہیں پائے ہیں اور جو سمجھ بھی پائے ہیں تو ان میں بہت سے ایسے ہیں جو عربی فارسی تو دور رہی اپنے بچے اور بچیوں کو بجائے اردو میڈیم کے صرف انگریزی میڈیم میں تعلیم دلوا رہے ہیں اور اردو سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ایسی حالت میں اردو کیسے زندہ رہے گی اور پھر اردو کے بغیر تہذیب کہاں؟ بہر حال آپ کی بیگم

نے جہیز میں سونے کے زیورات کے سلسلے میں دریافت کیا ہے تو...... جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں انتہائی غریب آدمی ہوں، بس دو بھر سونے کی بالیاں دے دوں گا اور وہ بھی اس کی مرحومہ ماں کی۔

کمترین۔۔۔محمد علیم

علیم بھائی!

خط ملا۔ پڑھ کر مسرت ہوئی کہ آپ دو بھر سونے کی بالیاں دے رہے ہیں یہ کم نہیں ہے۔ اب کہاں پرانے زمانے کی چیزیں نصیب ہوتی ہیں جبکہ خالص سونا خالص ہوتا تھا اب تو ہر چیز میں ملاوٹ ہے اور ہاں یہ تو میں آپ کو قبل ہی بتا چکا ہوں کہ فرمائش کو میں ایک گناہ سمجھتا ہوں مگر علیم بھائی! کانوں میں دو بھر سونے کی بالیاں اسی وقت رونق دیتی ہیں جب گلے میں دو بھر کا ہار بھی ہو۔ آپ کوشش کریں، ہمت اور حوصلہ بڑی چیز ہیں۔ دنیا میں سب کچھ کوششوں ہی سے حاصل ہوتا ہے ۔ ہمت مرداں مدد خدا!
اور ہاں! جب آپ ہار کے لیے کوشش کریں گے تو دو بھر کنگنوں کے لیے بھی لگے ہاتھ کوشش کر لیجیے۔ اس میں آپ ہی کی عزت، شہرت اور نیک نامی ہے۔

مخلص۔۔۔حامد علی

غریب نواز حامد صاحب!

نوازش نامہ ملا، میں سونے چاندی کے زیورات سے زیادہ اہم تعلیم سمجھتا ہوں کیا میری بچی زیور تعلیم میں کم ہے؟

نیاز آگیں۔۔۔محمد علیم

علیم بھائی!

آپ کا خط ملا۔ میں آپ کے خیالات اور جذبات کی قدر کرتا ہوں لیکن یہ آپ ذہن نشین کرلیں کہ آج کل سماج میں سونے چاندی کی اہمیت زیادہ ہے۔ زیور علم کی قدر کرنے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں لیکن میں بذات خود علم کی قدر کرتا ہوں پھر بھی آج کے بدلتے ہوئے حالات میں اگر آپ اس ماڈرن سوسائٹی کو شکست دینا چاہتے ہیں تو زیور طلا سے دیجئے۔ دو بھر کی بالیاں، دو بھر کا ہار اور دو بھر کا کنگن بہت شاندار رہے گا اور یہ آپ کی ہمت مردانہ کے آگے کوئی مشکل نہیں۔ اللہ پر بھروسہ کر کے کے آج ہی آرڈر دیجئے۔ رقم کا انتظام کہیں نہ کہیں ہو ہی جائے گا اور ہاں! فرنیچر میں آپ کیا دے رہے ہیں؟

جواب کا منتظر۔۔۔۔ حامد علی

کرم فرما حامد صاحب!

آپ نے فرنیچر کے بارے میں دریافت کیا ہے تو عرض ہے کہ کسی بھی طرح سے ایک مسہری دے دوں گا بستر سمیت۔

آپ کی نوازشوں کا غلام۔۔۔ محمد علیم

علیم بھائی!

یہ جان کر مسرت ہوئی کہ آپ بستر سمیت ایک مسہری دے رہے ہیں تو ذرا لگے ہاتھ یہ بھی بتا دیں کہ ڈائننگ ٹیبل کے ساتھ آپ کتنی کرسیاں دے رہے ہیں؟

نیک خواہشات کے ساتھ۔۔۔حامد علی

غریب پرور حامد صاحب!

خلوص بے کراں! نوازش نامہ ملا۔ آپ نے ڈائننگ ٹیبل کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں کبھی میں نے سوچا نہ تھا، اور نہ اس پر غور کرنے کے لیے میرے پاس وقت ہی ہے۔ میری حالت پر رحم کیجئے حامد صاحب عین نوازش ہوگی۔

خاکسار۔۔۔محمد علیم

علیم بھائی!

خط ملا، آپ کے علم میں اضافہ کے لیے عرض ہے کہ آج کل بیڈ روم اور ڈائننگ روم فرنیچروں کے درجنوں ڈیزائن نکل آئے ہیں کوئی بات نہیں اگر آپ نے اپنی مصروفیات میں ابھی تک ڈیزائن کے انتخاب پر غور نہیں کیا ہے تو کسی دن وقت مقرر کر کے آپ میرے ساتھ بازار چلیں وہاں مختلف نمونے دیکھ کر ہم دونوں ایک رائے پر متفق ہو جائیں گے اور ہاں! پتہ نہیں آپ لڑکے کو کون سی گھڑی دے رہے ہیں۔ بہتر ہے ہم لوگ مارکیٹ سے لڑکے کے لیے سیکو فائیو گھڑی خرید لیں گے۔ کل ہی لڑکے نے میرے سامنے ٹی وی کا ذکر کیا تھا لیکن میں نے آپ کی حالت کے پیش نظر اسے ڈانٹ پلائی۔ اس لئے علیم بھائی! آپ ٹی وی کے لیے فکر مند نہ ہوں بس بازار ہی میں ہم لوگ بجائے ٹی وی کے ایک عمدہ ساٹیپ ریکارڈر خرید لیں گے۔ گاڑی کے لیے بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بس ایک سکوٹر کافی ہے، ان شاءاللہ میں لڑکے کو مطمئن کر لوں گا۔

مخلص۔۔۔حامد علی

میرے کرم فرما حامد صاحب!

سونے کے زیورات، فرنیچر، سیکو فائیو گھڑی، سکوٹر اور ٹی وی کے مطالبات تو مجھے ٹی بی میں مبتلا کرتے جا رہے ہیں مجھے اس مہلک مرض سے بچائیے! میرے حال پر رحم کیجئے! میں انتہائی غریب آدمی ہوں!!

احقر۔۔۔محمد علیم

علیم بھائی!

یہ تو میں قبل ہی کئی بار آپ کو یقین دلا چکا ہوں کہ میں جہیز کا قائل نہیں۔ مجھے آپ کی پریشانیوں کا احساس ہے۔ بس جو چیزیں آج سماج میں رائج ہیں وہی تو میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ انہیں مطالبات سمجھتے ہیں تو یہ آپ کی حماقت ہے، مطالبات پر لعنت بھیجئے علیم بھائی! لیکن ہاں آج کل غریبوں کے لیے فرنیچر، گھڑی، ٹیپ ریکارڈ روغیرہ خریدنا بالکل آسان ہو گیا ہے۔ ان دوکانداروں سے میرے اچھے تعلقات بھی ہیں۔ اگر آپ کے ساتھ کوئی مجبوری ہو تو میں قسط پر بات کرادوں گا۔ آپ بروقت نصف قیمت ادا کر کے اسٹامپ کا کاغذ لکھ دیجئے گا بس اللہ اللہ خیر سلا۔ آپ کے مکان پر بینک کا قرض بھی مل سکتا ہے یا اگر آپ اپنی بچی کے بیاہ کے لیے اپنا مکان فروخت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو بلا جھجک فرمائیں، ان شاء اللہ میں خریدار بھی مہیا کرادوں گا۔ خیر جو آپ بہتر سمجھیں، میں آپ کی ہر خدمت کے لیے تیار ہوں لڑکے کی ماں نے دریافت کیا ہے کہ دولہا کے نکاحی جوڑے کے لیے آپ نے کتنی رقم رکھی ہے۔

مخلص۔۔۔حامد علی

میرے مہربان حامد صاحب!

نکاحی جوڑے کے لیے میں نے پانچ سو روپے الگ کر دیئے ہیں اگر آپ کی بیگم صاحبہ فرمائیں گی تو پھر کسی طرح ساڑھے پانچ سو روپے کر دوں گا اس سے زیادہ کی صلاحیت مجھ میں نہیں ہے۔

خاکسار۔۔۔محمد علیم

علیم بھائی!

خط ملا، نکاحی جوڑے کے لیے پانچ سو روپے بہت ہی کم ہیں آج کل درزی ہی ایک سوٹ کی سلائی ڈھائی تین سو روپے لے رہے ہیں۔ آپ کو نقد رقم دینے کی ضرورت نہیں آپ کسی دن وقت مقرر کر کے خود لڑکے کو اپنے ساتھ لے جائیں وہاں وہ اپنی پسند کا تمام ضروری سامان خرید لے گا آپ بل ادا کر دیجئے گا۔ اس سے زیادہ سہولت میں آپ کو اور کیا دے سکتا ہوں۔

نیاز آگیں۔۔۔حامد علی

غریب پرور حامد صاحب!

آپ کی فہرست کافی موٹی ہوتی جارہی ہے اور میں دبلا پتلا ہوتا جا رہا ہوں۔ ذرا آپ اپنی فہرست کی صحت اور اس غریب کی صحت میں موازنہ کیجئے تو یقیناً آپ کو مجھ پر ترس آئے گا۔ اس لئے میری حالت پر رحم کیجئے حامد صاحب میں ایک فقیر اور درویش آدمی ہوں اور

آپ سے درویش نوازی کی امید رکھتا ہوں۔

کرم کا طالب ۔۔۔محمد علیم

علیم بھائی!

ہمارے آبا واجداد بھی درویش تھے، مگر اب زمانے کے نئے نئے تقاضوں کے تحت درویشی بھی رنگ بدل رہی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کہنے کی ضرورت نہیں، آپ تو خود ہی عقلمند ہیں اور زمانے کی نبض کو پہچانتے ہیں۔ اتنا تو درویش سے درویش والدین بھی اپنی بیٹی کے لیے کیا کرتے ہیں۔ بہر حال لین دین کی تمام باتیں طے پا جانے کے بعد اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ کو بعد نماز مغرب رسم منگنی کے لیے پچاس (۵۰) عورتیں، علاوہ ان کے بچے اور ایک سو (۱۰۰) مرد آپ کے یہاں آئیں گے، خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ رہے۔ اس بات کا خاص خیال رکھیں کیوں کہ یہ تمام حضرات قوام کے بہی خواہ ہمدرد ہوں گے یعنی خادم قوم۔ ان کی ہر طرح کی عزت افزائی ضروری ہے۔

شادی کی تاریخ بعد میں طے کی جائے گی جس کے لیے صرف ستر (۷۰) مرد جائیں گے اور اس بات کو بھی قبل از وقت ذہن نشین کر لیں علیم بھائی کہ باراتی تقریباً تین سو ہوں گے علاوہ نوے عورتیں۔ ویسے ہمارے تعلقات کے ہزاروں آدمی ہیں لیکن چونکہ آپ غریب آدمی ہیں اس لیے آپ پر زیادہ بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا اور یہ مختصر تعداد قبل از وقت بتا دینا اس لیے ضروری سمجھا کہ آپ کو انتظام کرنے میں سہولت ہو۔ اور ہاں! لڑکے کی ماں نے دریافت کیا ہے کہ آپ لڑکے کو کتنی سلامی دیں گے۔ آپ کے جواب کا سخت انتظار رہے گا۔

مخلص ۔۔۔حامد علی

اپنی پریشان اور بدحال قوم کے ہمدرد حامد صاحب!

سن لیں! میں علم وعقل اور شرافت کا رسیا ہوں اور اپنی قوم کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر منور دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہنے سے زیادہ عمل پر یقین رکھتا ہوں۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہر باپ اپنی بیٹی کو اپنی حیثیت سے کہیں زیادہ سامان دیتا ہے لیکن من مانا مطالبہ قوم اور سماج کے نام پر ایک کلنک ہے، ایک ناسور ہے۔ میں جہالت اور جہیز کی لعنت کو ختم کرنے، دقیانوسی سماج کی دیواروں کو ڈھانے اور فرسودہ رسم ورواج کو توڑنے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ مجھے کہہ لینے دیجئے کہ لڑکے کے مفاد پرست اور خودغرض والدین جہیز کی لالچ میں اولاد کی خوشی کا بھی کوئی خیال نہیں کرتے۔ لیکن جب خود ان کی لڑکی کی شادی کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے تو اس وقت وہ ان من مانے مطالبات، دقیانوسی سماج اور فرسودہ رسم ورواج کے خلاف لمبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں۔ میں یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ نوجوانوں سے کہیں زیادہ ان کے والدین جہیز کے لالچی ہوتے ہیں۔ من مانے مطالبات نے کتنے ہی خاندانوں کو زکوۃ اور خیرات لینے پر مجبور کر دیا ہے!

آپ کی بیگم نے سلامی کی بابت دریافت کیا ہے تو میری ان تلخ حقیقتوں کی سلامی انہیں پیش کر دیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ سن لیں کہ میں آپ جیسے قوم دشمن، لالچی اور بھیک مانگنے والے کے یہاں رشتہ نہیں کرنا چاہتا، آپ کوئی اور گھر دیکھ لیں۔

فقط۔۔۔محمد علیم (۱)

---

(۱) [بشکریہ ماھنامہ "تعمیر حیات" لکھنؤ، بھارت (دسمبر ۱۹۸۶ء)]

جہیز اور دیگر رسومات کی معاشرتی تباہ کاریاں

[تاریخی پس منظر، معروضی حقائق اور اَعداد و شمار کی روشنی میں] (۱)

ابتدائی انسان

انسان کا وجود پچاس ہزار سال یا اس سے بھی زیادہ مدت تک جسمانی نشو و نما کی ایک ہی حالت میں رہا ہے تاہم اس زمانے کے زیادہ تر حصے میں اس کی کیفیت ایک مصیبت زدہ وحشی کی رہی ہے۔ پانچ چھ ہزار سال کی مدت میں وہ کسی قدر تہذیب و تمدن سے بہرہ ور رہا ہے لیکن اس دوران میں اس کے تمام انتظامات بہت حد تک قدیمانہ اور غیر مہذب رہے ہیں۔ اس کے خیالات کا بیشتر حصہ مغالطوں پر مشتمل رہا ہے اور وہ آج بھی اپنے وجود کے ہر پہلو میں اپنے ہی عائد کردہ حالات کا شکار ہے۔

پیمانۂ ترقی

انسانی ترقی کی پیش قدمی کا پیمانہ ہرگز یکساں نہیں رہا، اس میں پے در پے نشو و نما اور توسیع کے مرحلے آتے رہے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ نابود ہوتے گئے۔ یہ وضع بالکل جانی بوجھی ہے۔ اس سے آج کل کے بہت سے نظریات ماخوذ ہیں اور کہا جاتا ہے کہ تہذیب مختلف اَدوار میں ترقی کرتی ہے۔ ہم اس امر کو واضح کریں گے کہ تیز رفتاری اور رکاوٹ دونوں کے قطعی وجوہ و اسباب ہیں۔ جب کبھی ثقافت کے نشو و ارتقاء کی رفتار تیز ہوتی ہے تو بعض

(۱) [بشکریہ ماہنامہ "خطیب" (اکتوبر ۲۰۰٤ء) لاہور۔ مضمون نگار: ڈاکٹر منظور جاوید خان صاحب]

مخصوص حالات ہوتے ہیں جو نئی فعلیت اور آزادیِ فکر و عمل کے لیے سازگار ہوتے ہیں اور بعض اسباب فعلیت کو روک دیتے ہیں۔

وحشی انسان

وحشی انسان اب بھی آسٹریلیا کے اندرونی علاقوں، سیلون کے جنگلوں اور جنوبی ہندوستان کی نیلگری کی پہاڑیوں میں موجود ہیں، ان میں سے کسی سے پوچھیے کہ تم نے کھانے پینے مچھلی پکڑنے کے فرسودہ طریقے کیوں اختیار کر رکھے ہیں؟ تو وہ یہ جواب دیں گے کہ ''ایسے ہی کیا جاتا ہے'' گویا وہ آپ کو سمجھائے گا کہ جو رسمیں مدت سے چلی آتی ہیں ان کے سوا اور کوئی طریقہ انسان کو سوجھ ہی نہیں سکتا۔ اگر آپ کوئی طریقہ تجویز کریں گے تو اسے وہ بے حد نرالا تصور کریں گے اور وہ وحشی انسان اس کو قطعی طور پر خلافِ اخلاق، نا قابل عمل اور مکروہ سمجھیں گے۔ بعض لوگ سوچتے ہیں کہ وحشی شکاری دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد شام کے دھندلکے میں غار کے دھانے پر بیٹھا ہوا اپنے مسائل پر غور کرتا ہوگا۔ وہ آزاد انسان غور و فکر اور اس کے شعوری اخلاق میں محو ہو جاتا ہوگا۔ یہ تمام مفروضات نہایت غلط تصورات پر مبنی ہیں۔ یہاں تک کہ آج بھی اکثر ممتاز ماہرینِ انسانیات، رسوم کے الجھے ہوئے تہ در تہ پیچیدہ انبار سے دھوکہ کھا کر وحشی انسان کو پیچ در پیچ ذہنیت کے عمل کا حامل سمجھتے ہیں لیکن یہ نہایت بے معنی اور غلط زمانی تصور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی نشو و ارتقاء کے دوران میں طویل ترین زمانہ ایسا گزرا ہے جس میں کیسے؟ اور کیوں؟ کے سوالات قطعی طور پر اس کے ذہن میں پیدا ہی نہیں ہوئے۔ اس کی مصروفیاتِ زندگی کو شعوری عقلیت کی کسی امداد اور حمایت کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ وقتاً فوقتاً خاص قسم کے بحرانی حالات میں ہجوم کی فراست یا کسی پرانے لال بجھکڑ کی خاص دماغی سوجھ بوجھ کے زیر اثر عملِ انسانی کی کسی قدر عقلی تراش خراش ہو جاتی تھی اور رواج کی خلاف ورزی بھی لازم آ جاتی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی ترقی نہ ہو سکتی لیکن عقلی فکر کا یہ عمل اتفاقی ہے۔

رسم ورواج کا غلام

روزِ اول ہی سے انسان نے اپنے فکر کی نشو ونما کو اس طرح بے اثر کر دیا ہے کہ وہ رسم ورواج کا قطعی غلام ہو کر رہ گیا ہے۔انسانی ذہن پر شدید ترین دباؤ عقائد پرستی نے ڈالا تھا لیکن وہ بھی اس ظلم عظیم کی گرفت کے مقابلے میں نہایت نرم معلوم ہوتا ہے جس کی غلامی انسان کے ابتدائی ارتقا میں بشکل رسوم اس پر عائد تھی۔قدرتی طور پر تمام انسان پیدائشی غلام ہوئے ہیں۔حیات انسانی کا کوئی فعل کوئی عمل اور انسانی ذہن میں خیالات کی کوئی ترتیب سابقہ مثال رسم کے قطعی اقتدار کے سوا کوئی مقصد یا جواز نہیں رکھتی۔اس سے تجاوز یا انحراف کا کوئی امکان ہی پیدا نہیں ہوسکتا لیکن اگر کہیں ہو بھی تو وہ ایک ایسا ناجائز خیال ہوگا جس کے ذہن میں آتے ہی خوف پیدا ہو جائے گا۔

رسم کا بھوت

بلاشبہ خود ہمارے ذہنوں میں رسم اور بھیڑ چال کا جو بھوت سوار ہے اس سے ہم خود بھی واقف ہیں۔لیکن اگرچہ یہ چیز ہماری نفسیات میں اب بھی نمایاں ہے لیکن اس سے صرف دھندلا سا تصور کیا جاسکتا ہے کہ وحشیوں کے ذہن پر اس کے دباؤ کا کیا حال ہوگا۔رسم سے ہماری مطابقت عمومی طور پر زیادہ شعوری اور مقصدی ہوتی ہے۔ہم رسم کی پابندی زیادہ تر رضا کارانہ کرتے ہیں۔ہم زیادہ تر بے حقیقت چیزوں کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ہم اس کی پابندی اس شعوری خواہش کی وجہ سے کرتے ہیں، ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہم اپنے گروہ اور برادری کے ساتھ ساتھ رہیں بلکہ چند قدم آگے ہوں لیکن ابتدائی وحشی انسان کے لیے یہ بندش قطعی تھی۔ایک غیر شعوری ردعمل تھا۔ایک فطری جمود تھا اور عمل کا فقدان تھا۔یہ چیز فکر پر حکومت نہ کرتی تھی۔ابتدا میں ہر قسم کا فکر ایک بغاوت اور ایک توہین تھی۔

قدیم نفسیات

قدیم نفسیات میں رسم کو جو ظالمانہ تسلط واقتدار حاصل تھا اس کو اگر ہم موجودہ زبان میں

واضح کرنا چاہتے ہیں تو قدرتی طور پر لفظ مقدس ہمارے ذہن میں آتا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ فلاں رسم مقدس تھی اور اس سے بلاشبہ مذہب کا تصور پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ابتدائی انسان کی نقالیت کا تعلق مذہب کے ساتھ ایسا ہے جیسے کوئی بندر کرتب دکھا کر نقالیت کا اظہار کرے۔یہ صحیح ہے کہ مذہب اور اس کے علاوہ بھی اکثر چیزیں بالآخر رسم ہی کے تقدس سے منسلک ہوجاتی ہیں اور تقدس ہی درحقیقت وہ تخم ہے جس سے مذہب کا پروان چڑھا ہے ۔ابھی مذہبی حکایات وخیالات سے دور کا تعلق رکھنے والا کوئی خیال بھی دنیا میں نمودار نہیں ہوا تھا کہ زندگی کی رسم نوازی موجود تھی۔رسم بحیثیت ناقابل خلاف ورزی تھی،اس کو نہ شعوری طور پر محسوس کیا جاتا تھا اور نہ تسلیم کیا جاتا تھا بلکہ اس پر عمل لازم تھا اور اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔

رواجی فکر

رواجی فکر کے استحکام کو اس معاشرے کی تنظیم محفوظ رکھتی تھی اور معاشرے کی تنظیم رواجی فکر کو قائم رکھتی تھی۔اگر تمام انسان غلام پیدا ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے کم ازکم مساوی تو ہوتے ہیں۔لہذا کوئی انسان اس بھیڑ چال کی مساوات سے اوپر اٹھنے کی جرأت نہیں کرسکتا اور نہ اس امر کی کوئی ترغیب ہی موجود ہوتی ہے۔ہمیں یہ فرض کر لینے کی عادت ہے کہ انسانی معاشرہ ہمیشہ سے اسی طرح منظم رہا ہے جیسے آج کل ہے۔یہ بالکل فریب ہے۔موجودہ نظام اور اس کے تمام خدوخال کو ہم اس کے بنیادی خدوخال سمجھتے ہیں۔یہ نسبتا ماضی قریب کی پیداوار ہیں جب کہ قدیم معاشرہ اس سے مختلف تھا۔جس طرح ہم قدیم ہوتے چلے جائیں گے،معاشرہ بدلتا جائے گا۔

رسم ورواج

ہمارے معاشرے میں ازدواجی زندگی کو تباہ وبرباد کرنے اور عورت کو اتھاہ گہرائی میں لے جانے میں رسم ورواج نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔اس کے نتائج بہت خطرناک

رونما ہوئے ہیں اور رسم و رواج ہمارے اجتماعی تہواروں کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں اور ازدواجی قدریں، ازدواجی مسائل کے سلجھاؤ کی راہ میں اس قدر حائل ہیں کہ مسئلہ کے حل ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

عورت رہبر

گو ہم لوگ ترقی پسند واقع ہوئے ہیں، جدت ہماری منزل کی راہ سے روشناس کرانے کے لیے منہ کھولے کھڑی ہوتی ہے لیکن جب شادی بیاہ اور اسلامی تہواروں کا موقع آتا ہے تو عورت ہماری راہبر ہوتی ہے جو پوری قنوطی اور لکیر کی فقیر ہوتی ہے اور ہم عورت کے ہر فرمان کی تکمیل میں کسی قسم کی فروگزاشت نہیں کرتے۔ اُس وقت جدت پسندی اور نئی تہذیب خاک میں مل جاتی ہے بلکہ اکثر و بیشتر مردوں کو یہی کہتے سنا گیا ہے کہ ہمیں خاندانی رسم و رواج کا کیا علم؟ ہمیں اپنی قومی ثقافت کا کیا پتہ؟

عورتیں ہی ان معاملات سے بخوبی واقف ہوتی ہیں بس اسی وقت دوڑتے ہوئے گئے اور گھر کی بڑی بی سے ساری تہذیب و ثقافت کا پتہ چل گیا پھر اس پر بڑی بے فکری سے اندھا دھند روپیہ برباد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اکثر خاندان صرف رسم و رواج کو اپنانے سے معاشی بحران میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پرانی تہذیب کے نشانات اب تک ایسے ملتے ہیں کہ شادی پر گھی کے چراغ جلائے جاتے ہیں اور گھی بڑی مقدار میں استعمال کیا جاتا ہے بلکہ ایک واقعہ ایسا بھی شاہد ہے کہ شجاع آباد کے علاقہ کے ایک زمیندار نے مسرت و انبساط کے عالم میں نوٹوں کی تھیلی جلا کر حقہ نوش کیا تھا اس کی اولاد آج بھی لاکھوں روپے ایسی مکروہات پر خرچ کرتی ہے لیکن قومی و ملّی مسائل پر ایک کوڑی بھی خرچ کرنا اپنی شان کی توہین سمجھتے ہیں۔

ایک جائزہ

ایک اندازہ کے مطابق صوبہ پنجاب میں اوسطاً روزانہ ڈھائی صد شادیاں ہوتی ہیں۔
اگر ان میں دینے والے جہیز کی رقم اور شادی کے دوسرے اخراجات کا موازنہ کیا جائے تو

فروعات اور رسم ورواج پر اٹھنے والے اخراجات، جہیز کی مجموعی رقم سے کہیں زیادہ ہوں گے۔ جہاں جہیز ایک لعنت ہے وہاں رسومات اس سے بھی زیادہ لعنت ہیں۔

سرمایہ دار نے دولت کا سہارا لے کر غریب کا خوب مذاق اڑایا ہے۔ مگر غریب ہے کہ سرمایہ دار کی پیروی اور نقالی میں اپنا تھوڑا بہت اُثاثہ بھی برباد کر بیٹھا ہے اور سرمایہ دار کے مضبوط اور فولادی ہاتھوں ہی میں زندگی بھر گرفتار رہتا ہے۔ سچ کہتے ہیں کہ قسمت کے ساتھ عقل بھی جواب دے جاتی ہے!

سرمایہ دار کا مقام

سرمایہ دار اپنا منفرد مقام رکھنے کی خاطر نت نئے لباس، نئے طرزِ بودو باش اختیار کرتا ہے تاکہ اسے غریبوں میں امتیاز حاصل ہو لیکن غریبوں کو نقالِ شوق لے ڈوبتا ہے۔ وہ قرض لے کر بھی لباس اور اسی طرز کا مکان تعمیر کراتا ہے۔ آج کل اس مہنگائی کے دور میں جب کہ سرمایہ دار اپنی دولت کے بل بوتے پر عالیشان مکان اور کوٹھیاں بنوا رہا ہے تو اس کی نقل میں ہر کس وناکس ایسا ہی چاہتا ہے۔ غریب سے غریب بھی قرض لے کر پختہ مکان چاہتا ہے۔

ملتان میں ان دنوں ایک غریب خاندان نے حکومت سے قرض لے کر ایک کمرہ پختہ سیمنٹ کا تعمیر کرایا۔ اتنا پیسہ نہ تھا کہ چھت کا لنٹر ڈالتے کمزور شہتیر ڈالا تو دوسرے دن خوشی منا رہے تھے کہ چھت گری اور چار آدمی لقمۂ اجل بن گئے۔

رسم ضروری ہے!

مسلمانوں کی لاکھوں نہیں بلکہ اربوں روپے کی جائیداد صرف رسم ورواج کے تحفظ کی خاطر غیر مسلم اقوام کے پاس رہن کے ذریعہ برباد کر دی گئی جس کے نتیجہ میں آج بھی پاکستان کی عدالتوں میں ہزاروں فک الرہن کے مقدمات زیر سماعت ہیں مگر افسوس کہ اس قدر برباد ہونے کے باوجود بھی مسلمان رسم ورواج کو ضروری سمجھتا ہے۔ وہ قرض حاصل کر

کے مکان یا زمین رہن کر کے شادی بیاہ پر ضرور افراط سے خرچ کرتا ہے تاکہ اس کی ناک اونچی رہے۔ اکثر سنا گیا ہے کہ زندگی میں شادی ایک بار ہوتی ہے تو پھر کیوں نہ خوشی سے منائی جائے......!

یہاں ایک ایسی مزدور قوم بھی آباد ہے کہ جن میں شادی کے موقع پر برات کو سات روز تک کھانا کھلایا جاتا ہے اور بھی ان میں ایسی رسومات ہیں کہ اگر ان رسومات کو نبھاتے ہوئے ایک لڑکی کی شادی کر لی جائے تو زندگی بھر اس کا باپ سرسبز وشاداب نہیں ہوسکتا۔ یہ لوگ ذلیل وخوار ہوکر جس قدر بھی روپیہ کماتے ہیں ایسے موقعوں کے لیے جمع رکھتے ہیں اور پھر بارش کی طرح روپیہ برباد کرتے ہیں!

اندھی تقلید

افسوس اس بات کا ہے آج کے دور میں مغربی تقلید کی اندھی تعلیم یافتہ خواتین بھی رسم ورواج کی حامی ہیں اور خاندانی روایات کو ضروری سمجھتی ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ ''فضول خرچی نہ کرو'' اور حضور اکرم نے بھی اپنی زندگی کے عملی نمونہ سے شادی بیاہ کے موقع پر مسلمان قوم کو فضول خرچی سے خبردار کیا ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ رسوم ورواج کی اندھی تقلید نسل درنسل کرتے جارہے ہیں!

سرور کائنات نے جس قدر بھی نکاح کیے ہیں وہ بیواؤں سے کیے ہیں صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دختر نیک اختر تھیں اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ مکہ معظمہ میں مالدار تصور کیے جاتے تھے لیکن آپ بتایئے کہ انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی پر کتنا روپیہ صرف کیا ہے اور کس قدر جہیز دیا ہے۔ دین اسلام میں سادگی ہے۔ اسلام نے ہمیں متوازن زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا ہے۔

موجودہ قانون کی بھی خلاف ورزی!

موجودہ حکومت نے شادی بیاہ کے موقع پر فضول خرچیوں کے متعلق پابندی لگادی ہے

اور جہیز پر بھی پابندی لگ چکی ہے مگر افسوس کہ مسلمان اس قانون کی بھی پیروی نہیں کر رہے بلکہ اپنے رسم و رواج ہی کو ترجیح دے رہے ہیں۔ ایسے کام اگر چہ مالدار لوگ کرتے ہیں تا کہ اس سے ان کی ناک بھی اونچی رہے اور معاشرے میں بھی ان کا مقام منفرد ہو مگر غریب لوگ نقالی کر کے اپنا سب کچھ برباد کر بیٹھتے ہیں اور اور زیادہ غریب ہو جاتے ہیں۔

ایک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر

ہم غریبوں کا اڑایا ہے مذاق !

جہیز کی لعنت!

جہیز رسم و رواج کی ایک اہم کڑی ہے جو پاکستانی معاشرے کو دیمک کی طرح کھا رہی ہے اس مسئلہ کی وجہ سے لاکھوں شریف لڑکیاں اپنی زندگی کو برباد کر رہی ہیں۔ ہم ہمیشہ اس قضیہ کو نظر انداز کرتے رہے ہیں بلکہ اسے زندگی کے فرائض میں ضروری سمجھتے ہیں۔ جس طرح ہر انسان کے لیے فطری لحاظ سے شادی ضروری ہے، اسی طرح ہر شادی میں لڑکی کے لیے جہیز بھی ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ ازدواجی راہوں میں ایک بھاری رکاوٹ ہے جو معاشرے میں رستا ہوا ناسور بن گیا ہے۔ کئی لڑکیوں کی زندگیاں قعرِ مذلت میں دھکیل دی جاتی ہیں اور ان کی آہ و پکار پر کسی نے آج تک کان دھر کر نہیں سنا۔

ان کے دل کی حرکتیں یہ کہہ رہی ہوتی ہیں کہ ناسمجھ والدین نے ہماری زندگی کے بندھن کا پروگرام بہت غلط مرتب کیا ہے۔ وہ یہ سوچتی ہیں کہ قدرت کی طرف سے چونکہ ہم غریب گھرانے میں پیدا ہوئی ہیں لہذا جہیز کے فرائض کی تکمیل نہ کرنے کی وجہ سے ہم اس قدر تند و تاریک ماحول میں زندگی گزار رہی ہیں۔ وہ یہ سمجھتی ہیں کہ اگر ہم نہ ہوتیں تو دھرتی پر ہمارے وجود کا بوجھ نہ ہوتا کیونکہ یہ دھرتی ہمارا بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے اس لیے ہم ازل سے غریب ہیں!

سسرال میں مقام

ایک خوبرو لڑکی جسے اپنا لخت جگر سمجھ کر پالا جاتا ہے، برسوں تک اس کی نگہداشت کی جاتی ہے، جب وہ سسرال میں جاتی ہے تو ساس اور نندیں صبح وشام اسے کوستی ہیں کہ کیا لائی ہے؟ خاوند نکھٹو ہے، جائیداد پاس نہیں ہے، جہیز سے کوری ہے، اگر جہیز ہوتا تو اسے ایسا گھر کیوں نصیب ہوتا۔ وہ زندگی بھر تقدیر کا رونا روتی ہے مگر معاشرہ اس سے بے خبر ہوتا ہے اور وہ معاشرے کے اس تغافل پر مہر بہ لب ہوتی ہے!

جوانی کی بربادی

جہیز کی لعنت کی وجہ سے غربت کی دہلیز پر کئی جوانیاں گل سڑ رہی ہیں۔ لیکن حیرانی ہے کہ اس کے سڑانڈ کی بو، قوم کے ناخداؤں کے نازک ترین دماغ کے پردوں کو ماؤف نہیں کرتی، اسلام کے دعویداروں کو کچھ نہیں ہوتا۔ کئی اٹھتی ہوئی جوانیاں خاندان کی پیشانی پر بدنما داغ ثبت کر کے اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرتی ہیں۔ پھر خاندان کی غیرت وحمیت جاگتی ہے۔ معاشرہ اس وقت ناک بھوں چڑاتا ہے اور پھر اسے معاشرے کا ایک علیحدہ فرد تصور کیا جاتا ہے۔

دختر فروشی

ہمارے ہاں ایک ملازمہ تھی، معلوم ہوا ان کے خاندان میں بغیر پیسہ لیے شادی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اس کی دو جوان لڑکیاں غیر شادی شدہ بیٹھی تھیں جو بالآخر شہر کی ہوا لگنے پر مشکوک حالات میں چلی گئیں اور ظاہر یہ کیا کہ نکاح ہوگیا ہے۔ حالانکہ ہم نے ان کی شادی اور جہیز کے سلسلہ میں کپڑے تیار کرائے ہوئے تھے۔ ان رسومات کو دیکھتے ہوئے افسوس ہوتا ہے۔ اللہ اپنا رحم فرمائے۔

آزاد کشمیر اور بلوچستان وسرحد کے سرحدی علاقوں کے لوگ بھی بغیر رقم کے لڑکی نہیں دیتے۔ ان علاقوں کے اکثر خاندان لڑکی دے کر پھر اپنی لڑکی کا نام تک نہیں لیتے اور نہ ہی

اس سے ملنے کے لیے تیار ہوتے ہیں ۔ڈیرہ اسماعیل خان کے علاقہ کلاچی میں سے اکثر لڑکیاں پنجاب میں بیاہی گئی ہیں اوران کی قیمت لی گئی ہے ۔وہ مدت سے یہاں بس رہی ہیں مگران کے خاندان والے ان کی خبر تک لینے کو تیار نہیں ہیں ۔انہوں نے گویا اپنی بچی کو گائے بھینس سمجھ کر فروخت کردیا اور پھر دوسری بچی کی پرورش میں مصروف ہوگئے ۔ اور پھر اسے فروخت کرنے کا پروگرام مرتب کیا۔کیا اس رسم کا بھی معاشرے میں قلع قمع ہوسکتا ہے؟!

ایک پہلو یہ بھی ہے پاکستان کی تصویر کا !

رسم جہیز

جہیز کی رسم مدت دراز سے ہمارے سماجی حلقوں میں بحث کا موضوع بنی ہوئی ہے اور اس رسم سے معاشرے کی صحت مند نشوونما کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہوچکی ہے جس نے نوجوانوں کو بوڑھا اور بوڑھوں کو لب گور کردیا ہے۔گذشتہ سال کی بات ہے کہ ایک شہری نے ایک رفاہی ادارے کو خط لکھا کہ

"میری آنکھ لے لیجیے اور اس کے عوض مجھے اتنی رقم عطا کیجیے جس سے میں اپنی دو بہنوں کی شادی کرسکوں"......!

لیکن اس کے برعکس لاہور میں ایک امیر ترین شخص نے اپنی بیٹی کے لیے صرف چوتھی کا جوڑا دس ہزار روپے کی لاگت سے تیار کرایا جبکہ سرگودھا کے ایک بہت بڑے زمیندار نے پانچ لاکھ کا سامان اپنی لڑکی کو بطور جہیز کے دیا!

اس سرمایہ دارنہ عیاشی کے نتائج متوسط طبقہ پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔متوسط طبقہ کی اکثر لڑکیاں ملازمت کر کے اپنا جہیز خود تیار کرتی ہیں اور بعض لڑکیاں دستکاری کر کے جہیز تیار کرتی ہیں اور جب ان کی شادی ہوتی ہے تو وہ ادھیڑ عمر کو پہنچ چکی ہوتی ہیں ۔جہیز کے انتظار میں بیشتر لڑکیوں کے بال سفید ہوجاتے ہیں مگر ان کے ہاتھ پیلے نہیں ہوتے ۔ یہ

بدنصیب لڑکیاں ساری امنگیں اورتمنائیں لے کر اندر ہی اندر گھٹ کر دم توڑ دیتی ہیں۔ہمارے محلہ میں ایک صاحب کی چھ لڑکیاں بیٹھی ہیں بڑی لڑکی کی عمر ۴۰ سال سے کم نہ ہوگی......!

پنجاب میں جائزہ

ایک اندازہ کے مطابق صوبہ پنجاب میں 575 خواتین پچاس برس کی عمر میں بھی کنواری ہی ہیں اور پندرہ سولہ سو کنواریاں 40 سے 50 کے پیٹے میں ہیں۔ایک اندازہ سے 2 فیصد لڑکیاں صورت حال کی تاب نہ لا کر خودکشی کر لیتی ہیں۔جبکہ جہیز نہ ہونے کی وجہ سے کئی باپ اور بھائی بے عزتی کے خوف سے جان دے دیتے ہیں یا پھر گھر چھوڑ کر جلاوطن ہو جاتے ہیں۔ساہیوال کے ایک گاؤں سے ایک لڑکے والے اس لیے بارات واپس لے گئے کہ لڑکی والے جہیز میں منہ مانگی چیزیں دینے پر تیار نہ تھے کیونکہ وہ غریب تھے......!

تحقیقات کے مطابق صوبہ پنجاب میں شادی بیاہ کے سلسلہ میں دیے جانے والے جہیز کا مجموعی خرچہ 70 (ستر) لاکھ ماہوار ہے۔عام حالات میں اوسط درجہ کا خاندان بیٹی کے جہیز پر 5 ہزار سے 10 ہزار خرچ کرتا ہے۔مگر شادی کی دوسری رسومات کے لیے اسے اس رقم سے بھی زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔

جائزہ یونیورسٹی

پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ سوشیالوجی اور سوشل ورک کے طلبہ نے چند سال قبل خواتین کی سماجی انجمنوں کے تعاون سے جائزہ لیا تھا جس کے مطابق پاکستان میں کم از کم دو لاکھ غیر شادی شدہ لڑکیاں موجود ہیں جن میں سے ایک لاکھ کے قریب ایسی ہیں کہ جن کی شادی محض اس لیے ابھی تک انجام پذیر نہیں ہوسکی کہ ان کے والدین معقول جہیز دینے کی استطاعت نہیں رکھتے۔لہٰذا ان لڑکیوں کی جوانیاں محض غربت کی وجہ سے گل سڑ رہی ہیں حالانکہ ان میں بیشتر لڑکیاں تعلیم یافتہ ہیں!

بارات کی واپسی!

ایسے کئی واقعات منظر عام پر آئے ہیں کہ دونوں طرف سے تیاریاں مکمل ہوگئیں، بارات دلہن کے گھر پہنچ گئی، لیکن جہیز کے لین دین کے بعد بدمزگی پیدا ہوئی اور بارات واپس لوٹ گئی یا دلہن کی ڈولی گھر سے رخصت ہوکر جب نئے گھر پہنچی تو اس کا استقبال اعتراضات اور تیرونشتر جیسے تندو تیز فقروں سے کیا گیا اور دلہن ازدواجی مسرتوں سے آشنا ہونے کے بجائے آنسوؤں اور آہوں کی تاریک وادی میں دھکیل دی گئی۔ جس زندگی کو پھولوں کی سیج سمجھ کر اس نے ہزار تمناؤں سے قبول کیا تھا وہ انگاروں اور کانٹوں کی سیج بن گئی۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ ایک ریٹائرڈ انجینئر نے اپنی ایم اے پاس لڑکی کا رشتہ اپنے بھانجے سے کر دیا۔ جب دلہن گھر جانے لگی تو اس کے والد نے تیس ہزار روپے کا چیک اپنے داماد کو دے دیا کہ میں جہیز تو نہیں دے سکا اس لیے تم اس سے جہیز کا سامان خرید لینا یا اس سے کوئی کاروبار کر لینا۔ جب دلہن سسرال پہنچی تو اس کی پھوپھی یعنی ساس نے کہا کہ میرے گھر میں تیرے لیے نہ بیٹھنے کے لیے کوئی چیز ہے اور نہ سونے کے لیے......! یہ لے اپنا یہ چیک اور اسی پر سو، اور اسی پر بیٹھ......! نہیں تو میرے گھر سے ابھی نکل جا......!

بہو بیچاری اپنی ساس یعنی سگی پھوپھی کی لاکھ منتیں سماجتیں کرتی رہی اور اسے وعدے دلاتی رہی کہ میں اپنے ابو سے کہہ کر جہیز کا سامان منگوا دوں گی مگر ظالم ساس نے اس کی ایک نہ سنی۔ جب اس نے دیکھا کہ مجھے دھکے دے کر یہاں سے نکال دیا جائے گا تو اس نے مجبور ہوکر خود ہی اس گھر سے واپسی کی راہ لی مگر اسے کسی نے بھی نہ روکا......!

جب وہ گھر پہنچی تو ادھر اس کا والد سر سجدے میں کیے باری تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ میں نے بچی کی شادی کا فرض ادا کر دیا ہے۔ نماز شکرانہ کے بعد جب اس نے بیٹی سے اچانک گھر واپس آ جانے کی وجہ دریافت کی اور بیٹی نے اپنی سگی پھوپھی کی ساری بات کہہ سنائی تو باپ کو وہیں دل کا دورہ پڑا اور وہ ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی جاں بحق ہوگیا۔ لڑکی نے

سسرال پر مقدمہ کر دیا اور طلاق لے کر بعد میں دوسری شادی کر لی...... یہ ہے ہمارا معاشرہ جسے اسلامی معاشرے کا نام دیا جاتا ہے......اور یہ ہے ہماری اس قوم کا رویہ جسے حضور اکرم ﷺ کا امتی اور پیروکار ہونے کا دعویٰ ہے اور روز قیامت آپ کی شفاعت کا حقدار ہونے کا گھمنڈ بھی ہے......!

چند سال ہوئے ایک پاگل خانے میں ایک سماجی خاتون کارکن کو جانے کا اتفاق ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک پاگل عورت چپ چاپ بیٹھی ہے اور انگلیوں سے زمین کرید رہی ہے۔ جب وہ اس کے نزدیک سے گزری تو اس عورت نے بڑی حسرت سے پوچھا: کیا بارات واپس آ گئی ہے؟ اس پاگل عورت کے واقعہ کا پتہ چلا کہ جہیز پر معمولی سے جھگڑے کی وجہ سے اس بدقسمت عورت کی بارات واپس لوٹ گئی تھی اور اس حادثہ نے عورت کے ذہن پر اتنا اثر ڈالا کہ یہ چند روز بعد دماغی توازن کھو بیٹھی۔ اس غریب سے آج تک کسی نے یہ نہ کہا کہ بارات واپس آ گئی ہے اور جاؤ جا کر تم اپنا گھر آباد کرو......!!

مقامِ افسوس یہ ہے کہ جو لوگ جہیز کی بڑھ چڑھ کر مخالفت کرتے ہیں وہ خود اپنے لڑکے کی شادی کرتے وقت جہیز کو دوسروں سے کچھ کم اہمیت نہیں دیتے۔

جہیز نصب العین ہے!

شریعت کی رو سے والدین پر فرض عائد ہوتا ہے کہ جب بچی سنِ بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کی شادی کر دی جائے لیکن یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ بہت سے غریب والدین جہیز کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کے ہاتھ پیلے نہیں کر سکتے اور ان لڑکیوں کی جوانیاں سسک سسک کر اپنے والدین کے گھر کی چار دیواری کے اندر ہی ختم ہو جاتی ہیں اور یہ لڑکیاں مختلف ذہنی، قلبی، روحانی اور اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ کئی لڑکیاں جو شرافت کی زندگی گزارتی ہیں، ہسٹریا کی مریضہ بن جاتی ہیں۔

ایسی لڑکیوں کا خون صرف غریب والدین کی گردن پر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے ذمہ دار وہ

لوگ بھی ہیں جن کے نزدیک جہیز کا حصول ہی زندگی کا نصب العین ہے اور اس معاملہ میں ہمارا معاشرہ سب سے بڑا مجرم ہے......!!

جلاؤں حسن کے سینے میں آرزوں کے چراغ
ضمیرِ عشق میں پیدا نئے شرار کروں
شعارِ رازہ بخشوں میں آب ورنگ نیا
رسوم کہنہ کے دامن کو تار تار کروں

باب......[2]

رسم جہیز کی شرعی حیثیت

ہمارے آباؤ اجداد نے ہندوؤں کے ساتھ ایک طویل عرصہ گذارنے کی وجہ سے ہندو معاشرے کی بہت سی رسوم وروایات کو غیر شعوری طور پر اپنا لیا جس میں سے ایک خوفناک رسم ''جہیز'' بھی ہے جسے ہندو ''کنیا دان'' سے موسوم کرتے ہیں۔اس رسم کے معاشرتی، دینی اور اخلاقی اعتبار سے سامنے آنے والے ان گنت نقصانات سے مجال انکار نہیں۔ سامان جہیز کے عدم دستیابی کی وجہ سے لڑکیوں کی شادیاں بروقت نہ ہو پانا، جہیز کی وجہ سے دو خاندانوں میں نا ختم ہونیوالی چپقلش چل نکلنا، جہیز نہ لانے پر بہو کا پُر اسرار قتل وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب بھی لفظ جہیز کانوں میں سنائی دیتا یا آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو اس کا یہ خوفناک پس منظر بھی ساتھ ہی ذہن میں گردش کرنے لگتا ہے۔

ہمارے ہاں جہیز کے بارے میں لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں، کچھ لوگوں نے جہیز کو شادی کا بنیادی حصہ قرار دے رکھا ہے اور پھر حلال وحرام کی تمیز کیے بغیر ہر طرح سے جہیز کا سامان جمع کرنے کو 'اولین' فرض تصور کر رکھا ہے جبکہ جہیز کی معاشرتی خرابیوں اور بگاڑ کی وجہ سے کچھ لوگوں نے جہیز کو بلا استثنا 'لعنت' اور 'حرام' وغیرہ جیسے القابات سے نوازنا شروع کر دیا ہے۔ہمارے خیال میں یہ دونوں صورتیں انتہائی درجہ کے ردعمل کا مظہر

ہیں۔ جہیز کے جواز کی اگرچہ کچھ محدود صورتیں بھی شریعت میں موجود ہیں (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) لیکن ان حدود سے تجاوز کر کے خالصتاً ہندووانہ رسم جہیز کو اپنا لینے کی وجہ سے ہمیں بہت سے معاشرتی مسائل میں رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس لیے ہم جہیز کے دونوں پہلوؤں کا جائزہ لے کر اس نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں کہ اس ہندووانہ رسم کے خاتمے اور اس کے جواز کی انتہائی آسان اور محدود صورتوں پر عمل کرنے میں ہی دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اپنی گزارشات کو ذرا تفصیل سے بیان کریں گے۔ ان شاءاللہ!

جہیز کیا ہے؟

جہیز دراصل عربی زبان کا لفظ ہے جو (ج۔ہ۔ز) سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے 'تیار کرنا'، 'انتظام کرنا' یعنی سامان سفر تیار کرنا یا کفن دفن کا سامان تیار کرنا یا جہیز کا سامان تیار کرنا۔[1] اس کی تائید قرآن و حدیث سے بھی ہوتی ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ﴾ [سورۃ یوسف۔۵۹]

''جب اس نے ان کے لیے ان کا سامان تیار کر دیا''۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ

''من جهز غازیا فی سبیل الله فقد غزا ''[2]

''جس نے کسی مجاہد کا ساز و سامان تیار کر کے دیا، اس نے گویا خود جہاد میں حصہ لیا''۔

عرف عام میں جہیز سے مراد وہ سامان اور اثاثہ منزل ہے جو دلہن کی طرف سے دولہا کے ہاں پہنچایا جاتا ہے۔ جہیز کا کم سے کم سامان بھی اس قدر ضرور ہوتا ہے کہ دولہا میاں کا

---

(۱) [لسان العرب، بذیل مادہ 'جھز' وغیرہ]

(۲) [بخاری: کتاب الجہاد: باب فضل من جهز غازیا ---(ح۲۸٤۳) مسلم: کتاب الامارۃ: باب فضل اعانة الغازی---(ح۱۸۹۵)]

''لائف ٹائم'' اسی پر پورا ہو جاتا ہے اور اسے اپنی جیب ڈھیلی کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ انسان چونکہ طبعی طور پر بخیل اور لالچی ہے اس لیے شادی بیاہ کے موقعوں پر جہیز سے بھرے ٹرک دیکھ کر انسان کی حرص وطمع کی رگ پھڑک اٹھتی ہے اور ہر آدمی ایسے ہی رشتے کو ترجیح دیتا ہے جس سے اسے دلہن کے ساتھ کوٹھی مع اثاثہ جات بھی نصیب ہو جائیں بلکہ اب یہ مسئلہ اس قدر گھناؤنی صورت اختیار کر چکا ہے کہ جہیز کے بغیر شادی کا تصور بھی 'ناممکنات' کو چھونے لگا ہے۔ چنانچہ ان لڑکیوں کے ہاتھ 'پیلے' ہو جاتے ہیں جن کے والدین کسی نہ کسی طرح ہزاروں، لاکھوں کا سامان تیار کرنے میں کامیاب ٹھہرتے ہیں اور اس کے برعکس ایسی بے شمار بچیاں شادی کی خوشیاں دیکھنے، اور بیوی، ماں، بہو کا درجہ حاصل کرنے کی حسرت بھری امیدیں لیے ہی دنیا سدھار جاتی ہیں یا پھر چار و ناچار ان جرائم کی مرتکب قرار پاتی ہیں جو ناقابل بیان ہیں!

لیکن ٹھہریئے! اس کا ذمہ دار کون ہے ۔۔۔؟ وہ بچیاں جو جہیز نہ ہونے کی وجہ سے شادی کے فریضے سے سبکدوش نہ ہو سکیں ۔۔۔؟ یا وہ والدین جو اپنی بچیوں کے لیے جہیز فراہم نہ کر سکے ۔۔۔؟ یا پھر وہ سسرال جن کی طرف سے جہیز کی 'میٹر' لمبی فہرست جو شادی کی پہلی شرط کے طور پر لڑکی والوں کے گھر روانہ کی گئی ۔۔۔؟؟ یا وہ معاشرہ جس کی رسومات کو بہر حال پورا کرنا ناگزیر تھا ۔۔۔؟؟ یا پھر اسلامی ممالک کے ارباب اقتدار جنہوں نے اس رسم قاتل پر قابو پانے کی کوئی سبیل نہ کی ۔۔۔؟؟!

مذکورہ بالا تمام سوالوں کے تفصیلی جوابات سے پہلے ہمیں جہیز کی شرعی حیثیت کا جائزہ لے لینا چاہیے تاکہ افراط وتفریط سے بچتے ہوئے نفس مسئلہ کی گہرائی تک پہنچا جا سکے۔

رسم جہیز کی شرعی حیثیت

لڑکے یا اس کے گھر والوں کی طرف سے لڑکی والوں کے سرپرستوں سے جہیز (خواہ

سامان کی شکل میں ہو یا جائیداد اور نقدی وغیرہ کی شکل میں) کا مطالبہ کرنا یا جہیز کو شادی کی بنیادی شرط سمجھنا بالکل ناجائز، سراسر باطل اور شریعت کی خلاف ورزی ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے یا کسی صحابی کے کسی نکاح پر ایسی شرائط کو لاگو نہیں کیا اور حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی کو قابل اطاعت سمجھنا ہی ایمان کی پہلی سیڑھی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ﴾

''تم میں سے ہر وہ شخص جو اللہ اور یوم آخرت کی امید (ایمان) رکھتا ہے، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی بہترین نمونہ ہے''۔(احزاب۔۲۱)

چونکہ سنت رسول میں کہیں بھی جہیز کی شرط نظر نہیں آتی ، اس لیے یہ باطل شرط ہے کیونکہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے کوئی ایسی شرط طے کی جو کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے تو اس شرط کا کوئی اعتبار نہیں خواہ ایسی سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں''(۱)

اس لئے اگر بالفرض کوئی نکاح کم علمی کی وجہ سے جہیز کی شرط پر منعقد ہو بھی جائے تو مندرجہ بالا حدیث کی رو سے اس شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں! حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شادیوں میں کہیں جہیز کو لازمی شرط یا شادی کا حصہ نہیں بنایا گیا بلکہ اکثر و بیشتر جہیز کا تذکرہ بھی کتب احادیث میں مذکور نہیں لہذا ہمیں بھی اسی دین پر عمل پیرا ہونا چاہیے جو حضور اور آپ کے جانثاروں کا تھا۔

شادی بیاہ کے جملہ مسائل اور شادی کے بعد بیوی اور اولاد کے نان ونفقہ کے تمام مسائل کا بوجھ اور ذمہ داری خاوند پر ہے بیوی کے ذمہ نہیں۔ اگرچہ بیوی مالدار ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾[النساء۔۳٤]

---

(۱) [صحیح بخاری (حدیث۔٦٥٦٤)]

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔''

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ حق مہر کا مسئلہ ہو یا گھریلو ضروریات درپیش ہوں یا نان ونفقہ کا بوجھ ہو...... یہ سب بوجھ اور ذمہ داریاں شرعی طور پر خاوند کے کندھوں پر ہیں۔ اس لیے بیوی یا سسرال سے اس طرح کا کوئی مطالبہ خواہ 'جہیز' کی شکل میں ہو یا کسی اور روپ میں ۔۔۔۔ دینی واخلاقی ہر لحاظ سے ناروا اور غیر مناسب ہے۔ البتہ بیوی یا سسرال مالدار ہوں اور اپنی خوشی سے کوئی تحفہ دیں یا خاوند صاحب احتیاج ہو اور سسرال والے بطور اعانت کچھ دینا چاہیں، تو اس میں بہر حال گنجائش بھی موجود ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

علاوہ ازیں جہیز ایک ہندووانہ رسم ہے جس میں لڑکی کو وراثت سے محروم کر کے شادی کے موقع پر ہی حسب حیثیت سامان مہیا کر دیا جاتا ہے اور لڑکی کو بھی علم ہوتا ہے کہ اب میں حق وراثت سے محروم ہوں۔ حالانکہ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود میں تجاوز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ..... تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾[النساء۔ ١١ تا ١٤]

''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو (یا دو) سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا (مال) ہے۔۔۔۔ یہ اللہ کی حدیں

ہیں جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اس کو وہ (اللہ) ایسی جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا تو وہ (اللہ) اسے جہنم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

جہیز ایک ہندوانہ رسم

شادی بیاہ کی بیشتر رسومات ہندوانہ کلچر سے مسلمانوں نے اخذ کی ہیں کیونکہ برصغیر میں مسلمانوں کی فتوحات اور آمد سے پہلے ہندوؤں کا راج تھا جو کروڑوں خداؤں کے پجاری، اربوں، کھربوں رسومات میں جکڑے ہوئے اور کسی بھی سماوی دین سے کوسوں دور تھے حتی کہ بے شمار ہندوؤں کے اسلام میں داخل ہونے کے باوجود ان کی ہندوانہ چھاپ کے اثرات محو نہ ہو سکے اور بے شمار قبیح رسومات اور فضول روایات مسلسل ان میں چلی آتی رہیں۔

علاوہ ازیں تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمان انہی ہندوؤں کے ساتھ بود وباش اختیار کیے رہے، اگرچہ مسلمانوں نے ہمیشہ اسلامی تشخص اور اپنا امتیاز برقرار رکھنے کی کوششیں کیں لیکن تالاب میں ڈبکی لگا کر خشک ہی باہر آ جانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن سی بات ہے۔ بہر حال میں اس گہرائی میں نہیں جانا چاہتا کہ مسلمان ان ہندوانہ رسومات کے تالاب میں لوٹ پوٹ ہو کر کس قدر 'کیچڑ' اپنے ساتھ پاکستان لے کر آئے، تاہم جہیز کی رسم اس کی ایک ادنی سی مثال ہے جو ہندوانہ معاشرے سے بطور ''رسم'' مسلمان اپنے ساتھ لائے ہیں۔

دراصل ہندوانہ معاشرے میں والدین اپنی لڑکیوں کو وراثت میں شامل نہیں کرتے بالکل اسی طرح جس طرح دور جاہلیت میں اہل عرب اپنی لڑکیوں کو وراثت سے محروم کر دیتے تھے بلکہ دور جاہلیت کے اہل عرب میں وراثت کا حقدار صرف سب سے بڑا لڑکا ہوتا تھا جو باپ کی وراثت کے ساتھ اپنی سوتیلی ماں کا بھی 'وارث' قرار پاتا تھا! لیکن جب حضور نبی کریم ﷺ اس معاشرے میں تشریف لائے تو دین اسلام کی سچی، نکھری اور سادگی پر مبنی تعلیمات کے ذریعے دور جاہلیت کے تمام طوقوں کو آپ ﷺ نے کاٹ پھینکا اور ان

تمام رسومات سے لوگوں کو آزادی دی جن کی وجہ سے معاشرے کا ایک بہت بڑا حصہ ظلم وستم میں کراہ رہا تھا۔اسی احسان عظیم کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارہ فرمایا:

''وہ (نبیؐ) انہیں نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔لہذا جو لوگ اس نبی پر ایمان لا کر ان کی حمایت اور مدد کرتے ہیں اور اسی نور (ہدایت) کی پیروی کرتے ہیں جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔'' (الاعراف۔۱۵۷)

حضور ﷺ نے لوگوں کو امن وامان اور سکون وراحت بہم پہنچانے کے لیے جن سنہری احکام کا اجرا کیا ان میں سے ایک حق وراثت تھا یعنی بیٹی بھی باپ کے اثاثہ میں حقدار اور صاحب نصاب ہے۔اس کے برعکس ہندووانہ معاشرے میں آج بھی یہ رسم قائل موجود ہے کہ بیٹی کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے لیکن اس کا فطری ردعمل یہ ہے کہ شادی کے موقع پر والدین زیادہ سے زیادہ سامان مہیا کر کے بیٹی کو رخصت کرنے کا اظہار کرتے ہیں کہ اب اس کا ہمارے ساتھ ہر طرح کا تعلق منقطع ہو رہا ہے تو اس کی دلجوئی کے لیے کچھ نہ کچھ سامان ضرور ہونا چاہیے۔جسے ہندو''دان'' (خیرات) سے موسوم کرتے ہیں اور مسلمانوں نے اسے ''جہیز'' کا نام دے لیا۔یہ صرف لفظی مغایرت ہے وگرنہ معنوی طور پر دان اور جہیز میں کوئی فرق نہیں۔

یہ بات حرف آخر ہے کہ جو لوگ انفرادی یا اجتماعی طور پر کتاب وسنت کی شاہراہ پر گامزن رہیں گے وہی دنیا وآخرت میں کامیاب ہوں گے اور اگر دین اسلام کی سچی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا جائے تو دور جاہلیت کے ان گنت مسائل ومصائب از سر نو اسلامی معاشروں میں در آئیں گے اور فی الواقع اب ایسا ہو رہا ہے۔اس سلسلہ میں جہیز بھی کے معاشرتی نقصانات سے اس بات کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔آئندہ سطور میں جہیز کے چند بڑے نقصانات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ان شاء اللہ!

رسم جہیز کے نقصانات

رسم جہیز کے دینی نقصانات

جہیز کے نقصانات لاتعداد ہیں جن میں سے چند ایک سنگین نقصانات کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ کی نزاکت کا صحیح احساس ہو سکے۔

۱۔ رسم جہیز کو رواج بخشنے والے گھرانے سب سے پہلے سنت رسول کی حرمت وعظمت کو تار تار کر کے ایک بدعت اور ہندوانہ رسم کی طرح ڈالتے ہیں اور یقیناً یہ کوئی معمولی گناہ نہیں!

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

"تنكح المرأة لاربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"(۱)

"عورت سے چار بنیادوں پر شادی کی جاتی ہے ایک اس کے مال کی وجہ سے، دوسری اس کے حسب (برادری) کی وجہ سے۔ تیسری اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور چوتھی اس کے دین داری کی وجہ سے۔ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں، تم دین والی کے ساتھ کامیابی حاصل کرو"۔

نبی کریم ﷺ کے حکم اور نصیحت کے مطابق دیندار و با اخلاق عورت سے شادی کرنی چاہیے تاکہ رفیقہ حیات اخروی نجات کے لیے دنیوی زندگی کو حکم الٰہی کے پابند رکھنے میں صحیح معاون ثابت ہو اور میاں بیوی کی زندگی کی گاڑی صحیح راستے پر گامزن ہو جبکہ جہیز کی رسم کی وجہ سے اس حکم رسول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایسی لڑکی کا انتخاب بھی برداشت کر لیا جاتا ہے جو دین واخلاق سے عاری، تعلیم وتربیت سے کوری، تہذیب وتمدن سے ناآشنا اور شکل وصورت سے ناقابل اعتنا ہی کیوں نہ ہو، یہ سب قباحتیں صرف اس لیے لیاقتیں مان لی جاتیں ہیں کہ لڑکی کے جہیز کی فہرست بڑی لمبی چوڑی ہے!

(۱) [بخاری (ح۵۰۹۰) مسلم (ح۱۴۶۶) ابو داؤد (ح۲۰۴۷) ابن ماجہ (ح۱۸۵۸)]

۳۔ جہیز چونکہ ہندووانہ رسم ہے اور ہندوؤں نے یہ رسم اس لیے جاری کی کہ ان کے ہاں لڑکی وراثت کی حقدار نہیں بن سکتی لہذا اس حق وراثت کی تلافی کسی طرح سے شادی کے موقع پر جہیز کی شکل میں کی جاتی ہے اور اب مسلمانوں نے بھی اس رسم کی بجا آوری میں ہنود کی خوب 'تابعداری' فرمائی کہ لڑکیوں کو حق وراثت سے محروم کر دیا اور اس کے بدلے جہیز کو رواج دیا حالانکہ اللہ تعالی نے عورت کو بھی وراثت کا حقدار بنایا ہے اور عورت کے اس خداوندی عطیہ (یعنی حق وراثت) کو ختم کرنا اللہ کی حدود کی صریح مخالفت ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [النساء ۔۱۳، ۱۴]

''یہ اللہ کی حدیں ہیں جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اس کو وہ (اللہ) ایسی جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو وہ اسے جہنم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

رسم جہیز کے معاشرتی نقصانات

۱۔ جہیز ایک ایسی معاشرتی رسم کی شکل اختیار کر چکی ہے کہ اس کے بغیر شادی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا! حتی کہ خود لڑکی والے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ اگر بچی کی شادی تک جہیز کا سامان تیار نہ ہوا تو ہم بچی کے ہاتھ پیلے نہیں کر پائیں گے چنانچہ بچی کی پیدائش کے ساتھ ہی والدین کو جہیز کی فکر کھانے لگتی ہے اور وہ پیٹ کاٹ کر بچی کے جہیز کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ والدین ایک بچی کے فریضے سے ابھی سبکدوش نہیں ہوتے کہ انہیں دوسری بچی کے جہیز کی فکر کھانے لگتی ہے۔ یقیناً یہ غریب والدین پر ظلم ہے اور اللہ

تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ ﴾ (غافر۔۳۱)

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتے۔''

حدیث قدسی ہے کہ ''اے میرے بندو! بلاشبہ میں نے اپنے لیے ظلم حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کردیا ہے۔لہذا آپس میں ظلم نہ کرو۔''(۱)

۲۔ جہیز کی وجہ سے معاشرے میں نمود ونمائش کی ایک ریت چل نکلی ہے۔جو والدین بچی کی شادی کے موقع پر خوب جہیز تیار کرنے میں فتح حاصل کر لیتے ہیں وہ عین شادی کے موقع پر رشتہ داروں کو جمع کرکے جہیز کا سامان بڑے فخر وارمان کے ساتھ دکھاتے ہیں کہ دیکھیے جی! ہم نے بچی کے لیے فرنیچر کا انتظام کیا ہے،فریج،کولر،ٹی وی،بیڈ،صوفہ سیٹ بھی خرید کردیا ہے۔آخر بچی پرائے گھر جارہی ہے اس کے لیے کراکری اور شیشے کے سیٹ،برتن،بستر،کپڑے،وغیرہ سب کچھ خرید لیا ہے حتی کہ برات سے پہلے ہی محلے کی عورتیں جہیز دیکھنے دکھانے کا بھرپور انتظام کرتی ہیں حالانکہ اسلام اس طرح کی نمود ونمائش اور فخر وریا کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَآؤُونَ ﴾

''ان نمازیوں کے لیے ہلاکت (اور ویل نامی جہنم کی وادی) ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں اور جو ریا کاری کرتے ہیں۔''[الماعون ۔ ٤ تا ٦]

۳۔حدیث نبوی ہے کہ ''بے شک میں تمہارے بارے میں جن چیزوں کا خوف کھاتا ہوں ان میں سب سے زیادہ شرک اصغر یعنی ریا کاری کا خوف کھاتا ہوں۔''(۲)

۴۔ بہت سے باپ اور بھائی اپنی بیٹی اور بہن کی ڈولی رخصت کرنے اور معاشرے کی

---

(۱) [صحیح مسلم (ح۲۵۷۷)]

(۲) [مسند احمد(٤٢٨/٥)تفسیر ابن کثیر(٣٤٣/٤)الترغیب والترھیب(٦٨/١)شرح السنة(٣٢٤/١٤)مجمع الزوائد(١٠٢/١)السلسلة الصحيحة(ح٩٥١)]

جھوٹی انا وعزت کے لیے ناجائز ہتھکنڈے اختیار کر کے کسی نہ کسی طرح جہیز کا سامان پورا کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں، اسے خواہ ان کی مجبوری کہیے یا معاشرے میں زندہ رہنے کی ضرورت! لیکن اس کی بنیادی وجہ ''جہیز'' ہے جو انسان کے ڈاکو بننے، رشوت لینے، خیانت کرنے، جھوٹ بولنے، سود لینے اور ہر طرح کے حرام کاروبار کرنے پر ابھارنے میں مؤثر کردار ادا کرتا ہے حالانکہ کوئی بھی سلیم الفطرت آدمی مذکورہ جرائم کی قباحت سے انکار نہیں کرسکتا اور مال کمانے کے مذکورہ بالا طریقوں کی اسلام بھی سخت مذمت کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ﴾[البقرة ـ ۱۸۸]

''ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو اور نہ ہی حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے ہتھیاؤ۔''

اسی طرح حکم خداوندی ہے:

﴿ وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو فَمَنْ جَآءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ فَانْتَهٰى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ...يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰو إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ﴾[البقرة۔۲۷۵تا۲۷۹]

''اللہ تعالی نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے۔ جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ تعالی کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لیے وہ (معاف) ہے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ تعالی کی طرف ہے اور جس نے اعادہ کیا وہ جہنمی ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ اس (جہنم) میں رہیں گے...... اے اہل ایمان! اللہ تعالی سے ڈر جاؤ اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم واقعی ایمان والے ہو لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے (یعنی سود سے کنارہ کشی اختیار نہیں کرتے تو) اللہ تعالی اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ!''

۵۔ جن لوگوں کے پاس بچی کو جہیز دینے کی استطاعت نہ ہو یا وہ جہیز کو ہندوانہ رسم سمجھ کر جہیز نہ دینے کا اعلان کر دیں تو لوگ اس گھر کا راستہ بھول جاتے ہیں ......! ان کی بچیوں کی شادی ایک المیہ بن جاتی ہے ......! بلکہ بسا اوقات تو وہ مظلوم زندگی بھر شادی کے بندھن سے محروم رہ جاتی ہیں حالانکہ ایک فطری اور معاشی ضرورت ہونے کی وجہ سے جوان بچی کی شادی والدین کا فریضہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ﴾[النور۔ ٣٢]

''تم میں سے جو مرد و زن بے نکاح ہیں ان کا ضرور نکاح کر دو''۔

لہٰذا بے نکاح بالغ افراد کا نکاح ایک دینی و اخلاقی فریضہ ہے لیکن اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ یہ رسم جہیز اس فریضے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے!

٦۔ اولاد اللہ کی نعمت ہے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی کیونکہ لڑکا یا لڑکی دینے کا اختیار صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا إِنَّهُ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴾[الشوریٰ۔ ٤٩، ٥٠]

''اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے (صرف) بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا انہیں جمع کر دیتا ہے۔ (یعنی) بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے''

لیکن بہت سے والدین بچیوں کو صرف اس لیے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ ان کے جہیز کے لیے والدین رقم کا بندوبست کیسے کریں گے! اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچیاں شفقت پدری سے کما حقہ مستفید نہیں ہو پاتیں اور تعلیم و تربیت کے معاملے میں انہیں وہ توجہ نہیں دی جاتی جو کم از کم ان کا ضروری حق ہے۔ اگرچہ ایسے والدین اللہ کے

ہاں مجرم ہیں لیکن سوچیے کہ اس جرم کا سب سے بڑا محرک کون ہے؟ کیا اس کا جواب 'جہیز' نہیں ہے......؟!

ایک مشرکانہ عادت

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴾[النحل ۔۵۸،۵۹]

''ان (مشرکوں) میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں میں چھپا چھپا پھرتا ہے، سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کو لیے ہی رہے یا اس (بچی) کو مٹی میں دبا دے۔آہ! کیا ہی برے یہ فیصلے کرتے ہیں۔''

۷۔کئی والدین لڑکی پیدا ہوتے ہی اسے مار ڈالتے ہیں تا کہ'' نہ رہے بانس نہ بجے بانسری''! حالانکہ بچے کو قتل کرنا اللہ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ﴾[الاسراء۔۳۱]

''مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔انہیں اور تمہیں ہم ہی رزق دیتے ہیں۔یقیناً ان کو قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔''

ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ''کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اس (صحابی) نے کہا کہ اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو''۔ (۱)

---

(۱) [بخاری (٦٨٦١) مسلم (٨٦)]

۸۔ اگر کوئی بچی بدقسمتی سے جوانی کی دہلیز پر پہنچ جائے لیکن والدین جہیز کا سامان تیار کرنے کے قابل نہ ہوں تو ایسے موقعوں پر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جوان بچیوں کو کسی حادثے کا شکار بنا کر خلاصی کی راہ نکالنے کے لئے والدین یہ کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اگر والدین میں اتنی ہمت نہ ہو تو بسا اوقات جوان بچیاں ہی اپنی زندگی ختم (خودکشی) کر لیتی ہیں۔ کبھی کوئی اونچی عمارت سے چھلانگ لگا دیتی ہے، کبھی کوئی گلے میں پھندا لگا کر چھت سے لٹک جاتی ہے، کبھی کوئی زہر کھا کر ہمیشہ کی نیند سونا چاہتی ہے حالانکہ خودکشی حرام ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾[النساء۔۲۹]

''اپنے آپ کو قتل نہ کرو''

لیکن انصاف سے بتایئے کہ اس خودکشی کا محرک کون بنا؟!

۹۔ اگر غلط فہمی سے کسی لڑکی کا بلا جہیز کے نکاح ہو بھی جائے تو معاشرے میں اس کا انجام عموماً اچھا برآمد نہیں ہوتا۔ لڑکی میں ہزار خوبیاں ہی کیوں نہ ہوں مگر اس ''غلطی'' کی اب کوئی معافی نہیں کہ وہ اپنے میکے سے ''خالی ہاتھ'' کیوں آئی ہے؟ کیا شوہر، کیا سسر، کیا ساس، کیا نانائیں سبھی تو اسے کوسنے والے، طعنہ دینے والے، اس کی تحقیر کرنے والے، اسے کچوکے لگانے اور مار پیٹ کرنے والے ہوتے ہیں۔ بات صرف اتنی نہیں بلکہ ''فرد جرم'' ثابت ہونے پر اسے خانہ بدر کیا جا سکتا ہے، شوہر سے علیحدگی کا قوی امکان ہوتا ہے بلکہ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھیں تو اس بیچاری کو اپنی زندگی کا شدید خطرہ ہوتا ہے اور فی الواقع ایسے بے شمار واقعات آئے دن اخبارات کی 'زینت' بنتے ہیں کہ 'جہیز نہ لانے پر بہو نذر آتش'، 'چولہا پھٹنے سے بہو جاں بحق' 'بہو کی پراسرار موت' وغیرہ وغیرہ......

آخر یہ سب کچھ ہمیشہ بہو کے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے؟ ساس یا نند (نانان) کے بارے میں کبھی اس طرح کی خبر پڑھنے اور سننے میں کیوں نہیں ملتی......؟! دراصل یہ سب

حادثات قدرتی نہیں بلکہ مصنوعی ہوتے ہیں اور ان کا سہرا شوہر نامدار کے سر ہوتا ہے۔ اگر اسے یہ سہرا سجانے میں ہچکچاہٹ ہو تو خاندان کے دیگر افراد اس ''خدمت'' کے لیے پیش پیش ہوتے ہیں! بتایئے کیا یہ ظلم نہیں......؟ پھر اس ظلم کا ذمہ دار کون ہے......؟ اور اس ظلم کا خاتمہ کیسے ممکن ہے......؟؟؟

یاد رہے کہ ظلم اور قتل کے بارے میں قرآن مجید میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَأَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴾[النساء۔۹۳]

''اور جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر (قصدا) قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

۱۰۔ معاشرے میں جو لوگ جہیز کی رسم کے قائل ہیں انہیں دو حیثیتوں سے اس رسم بد کو گلے لگانا پڑتا ہے؛ اگر وہ لڑکے والے ہونے کے ناطے جہیز وصول کرتے ہیں تو انہیں اپنی کسی لڑکی کی شادی کے وقت اپنے ہی اصول و قواعد اور رسوم و روایات کی پاسداری کے مطابق جہیز بہرحال دینا بھی پڑتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کا معاملہ حد اعتدال پر آ جائے لیکن وہ بیچارے کدھر جائیں جن کی محض بچیاں ہی بچیاں ہیں! یہ تو پھر قسمت ہی ٹھہرے! اور ان کی قسمت جاگ اٹھی جن کے لڑکے ہی لڑکے ہیں!! اور پھر تو یہ بچیوں والوں کے لئے سراسر ظلم ہے! اور بلاشبہ اس ظلم کا ''کریڈٹ'' (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو جائے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ظالم کہنے میں حق بجانب ہو جائیں گے جنہیں اللہ نے صرف بچیاں ہی عطا کی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ رائی برابر بھی ظلم نہیں کرتے! ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾[یونس۔۴۴]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتے لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔''

جہیز کے لیے بھیک مانگنا!

رسم جہیز نے معاشرتی اقدار واخلاقیات کو اس حد تک پامال کر دیا ہے کہ بہت سے غیرت مند لوگ بھی مجبور ہو کر بھیک مانگنے پر اتر آئے ہیں۔آپ نے بیسیوں مرتبہ مساجد میں نماز کے بعد ایسے مجبور افراد کو لوگوں کے سامنے ذلت کے ساتھ ہاتھ پھیلا کر یہ مطالبہ کرتے سنا ہوگا کہ ...... ''مجھے بچی کی شادی کرنے اور جہیز دینے کے لیے ''مدد' کی ضرورت ہے، خدارا میری مدد کیجیے!'' ...... حالانکہ جہیز کے لیے چندہ مانگنا، بھیک مانگنا اور لوگوں کے سامنے دامن پھیلانا اسی طرح قبیح عمل ہے جس طرح جہیز کے لیے زبردستی لوگوں کا مال لوٹنا یا چوری کرنا، رشوت لینا، خیانت کرنا یا سود لینا قبیح جرم ہے۔اگرچہ ان جرائم کے مرتکب گنہگار ہیں لیکن غور کیجئے کیا انہیں اس گناہ کے ارتکاب پر ابھارنے کی بنیادی وجہ یہی ہندوانہ رسم، .... جہیز نہیں؟!

بلا جواز بھیک مانگنے والے کی سزا

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے قبیصہ رضی اللہ عنہ (یہ ایک صحابی کا نام تھا) صرف تین آدمیوں کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔ایک وہ جس نے ضمانت اٹھائی۔اس کے لیے ضمانت ادا ہو جانے تک سوال کرنا جائز ہے اس کے علاوہ وہ سوال نہ کرے۔دوسرا وہ آدمی جسے کوئی آفت پہنچی اور اس کا مال واسباب ہلاک ہو گیا تو اس کے لیے مانگنا درست ہے یہاں تک کہ اسے اتنا (مال) مل جائے کہ اس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے اور تیسرا وہ شخص جسے سخت فاقہ پہنچے حتی کہ اس کی قوم کے تین معتبر آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں شخص کو سخت فاقہ پہنچا ہے لہذا اس کے لیے مانگنا جائز ہے یہاں تک کہ اسے اتنا مل جائے کہ اس کی ضرورت پوری ہو سکے یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی حاجت مندی دور ہو سکے۔اے قبیصہ رضی اللہ عنہ! ان تین صورتوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے اور ایسا سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔(۱)

---

(۱) [صحیح مسلم (حدیث۔١٠٤٤)]

جہیز کے طبی نقصانات

۱۔ جہیز کی وجہ سے والدین بچیوں کو گھروں میں بٹھائے رکھتے ہیں اور وہ بچیاں گھروں میں بیٹھی بیٹھی صرف اس لیے بڑھاپے تک جا پہنچتی ہیں کہ بدقسمتی سے وہ ایسے ماں باپ کے گھر پیدا ہوگئی ہیں جو ان کے لیے جہیز فراہم نہیں کر سکتے۔ بے شمار بچیاں ساری عمر کنواری رہ جاتی ہیں جس سے ان کے جسم کو طبی طور پر نہایت مضر اثرات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً ''اختناق الرحم، جنون، مرگی اور برسام کے امراض بھی اسی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، رعشہ، وجع المفاصل اور نقرس جیسی مہلک امراض بھی بعض دفعہ جنسی تقاضے کے حبس کرنے سے جنم لیتے ہیں۔''(۱)

۲۔ بچی کے بالغ ہونے کے بعد جلد از جلد اس کی شادی کر دینا اس کے لیے طبی اصولوں کے مطابق نہایت مفید رہتا ہے لیکن جس قدر شادی میں تاخیر کی جاتی ہے اسی قدر لڑکی کی خانگی زندگی کا سکون درہم برہم ہوتا جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ﴾[الروم ۔ ۲۱]

''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی۔''

جہیز کے اخلاقی نقصانات

انسانی زندگی میں ایک خاص موقع پر انسان کے اندر شہوانی خیالات انگڑائیاں لیتے ہیں جو فی الحقیقت جسد خاکی کا ایک فطری خاصا ہے اور خالق قدرت نے ان شہوانی جذبات کی تسکین کے لیے باضابطہ شادی کی نہ صرف گنجائش رکھی بلکہ قابل استطاعت مرد

(۱) [تذکرہ انطاکیہ (ج ۲/ص ۶۱) بحوالہ ''شادی کی جاہلانہ رسمیں'' (ص ۳۹) از مولانا ابوالخیر اسدی]

وزن پر اسے فرض ٹھہرا دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ فَانْكِحُوا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾[النساء ۔ ۳]

''جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔''

اسی طرح حدیث نبوی ہے:

" یامعشر الشباب من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء "(۱)

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہو وہ ضرور شادی کرے اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزوں کی پابندی کرے کیونکہ یہ روزے اس کے لیے (گناہ سے) ڈھال بن جائیں گے۔''

عورتوں کے نگران چونکہ مرد حضرات یعنی باپ اور بھائی وغیرہ ہیں اس لیے بالغ عورتوں کی شادی کے متعلق انہی سرپرستوں اور نگرانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ

﴿ وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ ﴾[النور ۔ ۳۲]

''اور تم میں سے جو مرد و زن بے نکاح ہیں ان کا نکاح کرو۔''

لیکن اگر لڑکیوں کے سرپرست جہیز کے سامان جمع کرنے کی وجہ سے بالغ لڑکیوں کے نکاح میں خاصی تاخیر کرنے لگیں یا جہیز کی عدم دستیابی کی وجہ سے بچیوں کا نکاح کرنے سے گریز کی راہیں تلاش کر لیں تو اس سے بے شمار اخلاقی نقصانات جنم لیتے ہیں مثلاً:

۱۔ انسانی خواہشات سے مغلوب ہو کر زنا کا ارتکاب جو معمولی گناہ نہیں! اس کی سنگینی کا اندازہ اس کی سزا سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کیونکہ جس قدر گناہ سنگین ہوگا اسی قدر اس کی سزا شدید ہوگی اور زنا کی سزا کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ

---

(۱) [صحیح بخاری (ح۵۰۶۶)صحیح مسلم (ح۱۴۰۰)]

فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾[النور۔۲]

''زنا کار مرد وزن میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ان پر اللہ کے دین (کی حد قائم کرنے) میں تمہیں ہرگز رحم نہیں کھانا چاہیے، اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت جمع ہونی چاہیے۔''

۲۔ یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ شہوانی جذبات سے مغلوب ہو کر بے شمار لڑکیاں (زنا کے علاوہ بھی) ان گنت برے طریقوں سے اپنی خواہش بجھانے کی کوشش کرتی ہیں حالانکہ ایسے فحش اور گندے کاموں کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ﴾[النور۔۱۹]

''یقیناً جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔''

۳۔ بعض جوان لڑکیاں بروقت شادی نہ ہونے کی وجہ سے کبھی فحش لٹریچر دیکھ کر اپنی طبعی ضرورت کو دبانے کی سعی لاحاصل کرتی ہیں۔بعض بیہودہ گانے سن کر اپنی خواہش پوری کرنے کی جدوجہد کرتی ہیں۔اس کے علاوہ ایسے لاتعداد غیر اخلاقی افعال کے ذریعے 'گناہ' مول لیے جاتے ہیں جو ناقابل بیان ہیں۔اور یہ بات یاد رہے کہ انسان کا ہر عضو بدن، زنا جیسے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

'' ان اللہ کتب علی ابن آدم حظہ من الزنا ادرک ذالک لامحالۃ فزنا العین النظر وزنا اللسان المنطق والنفس تمنی وتشتھی والفرج یصدق ذلک کلہ او یکذبہ ''

''اللہ تعالیٰ نے انسان کے معاملہ میں زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے جس سے وہ لامحالہ دوچار ہوگا۔ لہٰذا آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے، دل کا زنا یہ ہے کہ وہ خواہش اور آرزو کرتا ہے پھر شرمگاہ اس خواہش کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کر دیتی ہے۔''(۱)

گزشتہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ رسم جہیز کا سنت نبوی سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ جہیز کو شادی کی بنیادی شرط سمجھنا غلط ہے۔

۳۔ جہیز کا مطالبہ کرنا ایک غیر اسلامی عمل اور اخلاقی جرم ہے۔

۴۔ جہیز کے بدلے میں لڑکی کو وراثت سے محروم کرنا اللہ کی حدود کی خلاف ورزی ہے۔

۵۔ مروجہ رسم جہیز ایک ہندوانہ رسم ہے۔

۶۔ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں جہیز کی یہ صورت بالکل نہیں تھی جو آج ہمارے معاشرے میں نظر آتی ہے۔

۷۔ مروجہ جہیز کے بے شمار معاشرتی نقصانات ہیں جن سے کوئی صاحب بصیرت بے خبر نہیں!

۸۔ جہیز کے طبی اور اخلاقی نقصانات بھی کچھ کم نہیں۔

۹۔ جہیز کا اگرچہ یک طرفہ مالی فائدہ بھی ہے لیکن اس کے ان گنت مضر اثرات کے مقابلے میں اس معمولی فائدے کو اہمیت نہیں دی جا سکتی۔

ہندو بھی جہیز جیسی رسم 'قاتل' سے چیخ اٹھے!

''شادی کی نسبت کے وقت لڑکے والوں کی طرف سے ہونے والا مطالبہ یا لڑکی والوں کی طرف سے پیش کش اور وعدہ اور مروجہ جہیز کا لین دین یہ ایک ایسی سماجی برائی اور معاشرتی خرابی ہے کہ اس پر پابندی عائد کرنے کے لیے ہندوستان کی مختلف ریاستیں مثلاً بہار، اڑیسہ، مغربی بنگال، ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش وغیرہ بہت پہلے سے قانون بنا چکی ہیں اور

(۱) [صحیح بخاری (ح۶۲۴۳)صحیح مسلم (ح۶۶۹۶)ابو داؤد(ح۲۱۵۲)]

مرکزی (ہندو) حکومت نے بھی ایک مبسوط اور جامع قانون بنانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے باوجود یہ سماجی برائی کم نہیں ہو رہی بلکہ ہندوستان کے تقریباً تمام فرقوں میں بڑھتی جا رہی ہے۔اس قسم کی برائیاں محض قانون بنا لینے سے ختم نہیں ہو سکتیں جب تک کہ قانون پر عمل کرنے میں سختی سے کام نہ لیا جائے اور قانوں پر عمل کروانے والے دیانت دار اور مخلص نہ ہوں۔" (۱)

کیا حضور ﷺ نے اپنی بیٹیوں کو جہیز دیا تھا؟

واضح رہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی کل چار بیٹیاں تھیں جن میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا پھر رقیہ رضی اللہ عنہا پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادیوں پر حضور نبی کریم ﷺ سے جہیز دینے کا کوئی ثبوت کتب احادیث میں موجود نہیں۔آپ ﷺ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کیا تھا لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ آپ کی نبوت صادقہ کی مخالفت کے پیش نظر ابولہب۔نے اپنے بیٹے سے کہلوا کر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دلوادی تھی۔پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی اس بیٹی کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔۲ ہجری میں غزوہ بدر کے دنوں میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اکیس (۲۱) سالہ عمر میں اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔اسی طرح ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا لیکن حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی طرح ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی ابولہب نے طلاق دلوا دی تھی۔نبی کریم ﷺ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور یوں حضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں کے خاوند بننے کے شرف وسعادت کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو 'ذوالنورین' کا خطاب ملا۔(۲)

(۱) [ماہنامہ "محدث" بنارس، ہند۔(اپریل ۱۹۸۵ء)]

(۲) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ (۳۰۸/۳ تا ۳٤۰) فتح الباری (۱۵۱/۳ تا ۱۵۸)]

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر آپ ﷺ نے انہیں کوئی جہیز نہیں دیا اور اس جہیز نہ دینے کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خوب مالدار اور غنی صحابی تھے اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس قدر مال و دولت سے نواز رکھا تھا اس کے اندازہ کے لئے یہ ایک واقعہ ہی کافی ہے:

''جنگ تبوک میں لشکر کی تیاری کے لیے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کے درمیان جہاد فنڈ کا اعلان کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ ایک سو اونٹ، پالان اور کجاوے سمیت میں اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے دوبارہ جہاد فنڈ کی ترغیب دلائی تو پھر حضرت عثمان کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اللہ کی راہ میں دو سو اونٹ، پالان اور کجاوے سمیت میں (مزید) دیتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے پھر صدقہ کی ترغیب دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مزید تین سو اونٹ مع پالان و کجاوے پیش کرنے کا عندیہ دیا۔'' ایک روایت میں ہے کہ ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونا) بھی حضور ﷺ کی آغوش میں بکھیر دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ انہیں الٹتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انہیں کوئی ضرر نہیں۔''(۱)

آپ ﷺ نے اپنی تیسری بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو العاص بن ربیع سے کیا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے، ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔ لیکن اس نکاح کے موقع پر بھی حضور ﷺ سے کسی جہیز کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ یہ بات معتبر کتب احادیث میں موجود ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس نکاح کے موقع پر اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو ایک قیمتی ہار (بطور تحفہ) عطا کیا تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''جب مکہ والوں نے (جنگ بدر) کے قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ بھیجا تو حضرت زینب بنت رسول اللہؐ نے بھی اپنے خاوند ابو العاص بن ربیع (جو حالت کفر میں قیدی کر لیے گئے تھے) کے فدیے کے لیے کچھ مال اور ایک ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے (اپنی بیٹی) زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر انہیں عطا کیا تھا۔''(۲)

---

(۱) [ترمذی: کتاب المناقب (ح ۳۶۹۹، ۳۷۰۰، ۳۷۰۱)]

(۲) [الفتح الربانی (۱۴/۱۰۰) ابن هشام (۲/۳۵۹) ابن سعد (۸/۳۱)]

اس واقعہ سے کم از کم اتنا جواز ضرور مہیا ہوتا ہے کہ نکاح کے پرمسرت موقع پر والدین اگر بطور تحفہ اپنی بیٹی کو کچھ دینا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اسے ہندوانہ رسم کے طور پر نہ کیا جائے اور نہ ہی فخر ومباہات اور نمود ونمائش کا ذریعہ بنایا جائے۔

کیا حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا؟

ہمارے ہاں یہ بات بڑی مشہور ہو چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا لہذا "جہیز دینا نبی کی سنت ہے"۔۔۔۔ لیکن اس واقعہ کا پس منظر اور اصل حقیقت بہت ہی کم لوگ جانتے ہوں گے، اس لیے ہم اس کی قدرے تفصیل پیش کیے دیتے ہیں تا کہ واقعاتی پس منظر میں یہ معلوم کیا جا سکے کہ آپ نے جو سامان دیا تھا وہ جہیز کا سامان تھا یا کچھ اور!

امام نسائیؒ اپنی سنن میں کتاب النکاح کے ضمن میں ایک باب کا یہ عنوان ذکر کرتے ہیں:

"باب جهاز الرجل ابنته / "آدمی کا اپنی بیٹی کو جہیز دینا"

اور اس عنوان کے تحت یہ حدیث ذکر کرتے ہیں:

"عن علي قال جهز رسول الله فاطمة في خميل وقربة ووسادة حشوها ليف"(۱)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک سفید اونی چادر، ایک مشکیزہ اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی، بطور جہیز دیا تھا۔"

علاوہ ازیں امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں:

"عن علي ان رسول الله لما زوجه فاطمة بعث معه بخميلة ووسادة من أدم حشوها ليف ورحيين وسقاء وجرتين "(۲)

"جب نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا تو ایک چادر، ایک اذخر گھاس بھرا تکیہ، ایک چکی اور دو مٹکے (یعنی کل اتنا سامان) اس کے ساتھ روانہ کیا۔"

(۱) [نسائی (ح۳۳۸۶)] (۲) [مسند احمد (۱۰۶/۱)]

اسی طرح سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ

" عن علی ان رسول الله اتی علیا وفاطمة وهما فی خمیل لهما قد كان رسول الله جهز هما بها ووسادة محشوة اذخر وقربة "(۱)

" حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور وہ (علی) اور فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک سفید اونی چادر لیے ہوئے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ چادر، ایک اذخر گھاس بھرا تکیہ اور ایک مشکیزہ انہیں بطور جہیز عنایت کیا تھا۔"

مذکورہ روایات سے اگر چہ ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنی لخت جگر کو جہیز دیا تھا اگر چہ وہ نہایت معمولی نوعیت ہی کا تھا لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ جہیز رسول کریمؐ نے نہیں دیا تھا بلکہ حضرت علیؓ ہی کی طرف سے بطور مہر ملنے والی جنگی زرہ کو آپؐ نے بیچ کر یہ سامان اپنی بیٹی کے ہمراہ کیا تھا گویا یہ جہیز نہیں تھا بلکہ حضرت علیؓ کے پیش کردہ مہر سے خریدا گیا سامان تھا جیسا کہ کتب احادیث میں موجود دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے مثلاً خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

۱۔ " تزوجت فاطمة فقلت يا رسول الله ابن بی قال اعطها شيئا قلت ماعندی من شیء قال فاین درعک الحطمية قلت هی عندی قال فاعطها اياه "(۲)

" میں نے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو اللہ کے رسول ﷺ سے ان کی رخصتی کا تقاضا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے (بطور مہر) کچھ دو۔ میں نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری وہ حطمی زرہ کہاں ہے؟ میں نے کہا ہاں، وہ تو میرے پاس موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ (بطور مہر) فاطمہ کو دے دو"۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

---

(۱) [ابن ماجہ (ح۴۱۵۲)] (۲) [نسائی (ح۳۳۷۷) ابو داؤد (ح۲۱۲۵)]

" اردت ان اخطب الی رسول الله ابنته فقلت مالی من شیء فکیف ؟ثم ذکرت صلته وعائدته فخطبتها الیه فقال هل لک من شیء؟ قلت لا! قال فاین درعک الحطمیة التی اعطیت یو م کذا و کذا ؟قال هی عندی قال فاعطها قال فاعطیتها ایاه "(۱)

"میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی (فاطمہؓ) سے نکاح کا ارادہ کیا تو میں نے سوچا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں پھر یہ (نکاح) کیسے ممکن ہے؟ لیکن میں نے آنحضرت ﷺ کی صلہ رحمی دیکھ کر آپ ﷺ کے سامنے نکاح کا عندیہ ظاہر کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ ہے؟ میں نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حطمی زرہ کہاں ہے جو میں نے فلاں موقع پر تمہیں دی تھی۔ میں نے کہا کہ وہ میرے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ فاطمہ کو (بطور مہر) دے دو تو میں نے وہ فاطمہؓ کے مہر کے لیے آپ ﷺ کو دے دی"۔

۳۔ عن انس قال جاء ابو بکر ثم عمر یخطبان فاطمة الی النبی ﷺ فسکت فلم یرجع الیهما شیئا فانطلقا الی علی یامرانه یطلب ذلک قال علی فنبهانی لأمر فقمت أجر ردائی حتی اتیت النبی ﷺ فقلت تزوجنی فاطمة قال عندک شیء فقلت فرس وبدنی قال أما فرسک فلابدلک منها واما بدنک فبعها فبعتها باربع مائة وثمانین فجئته بها فوضعت فی حجره فقبض منها قبضة فقال ای بلال ابتع بها لنا طیبا وأمرهم ان یجهزوها فجعل لها سریر مشروط ووسادة من أدم حشوها لیف "(۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح کے لیے ابوبکرؓ اور عمرؓ نے یکے بعد دیگرے پیغام بھیجا مگر حضور ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ پھر

(۱) [احمد (۱/ ۸۰)ابو داؤد(۲۱۲۵)نسائی (حمیدی ۔۳۸)]

(۲) [شرح زرقانی علی المواهب (۴/۲)]

ان دونوں حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ ․ ․ نکاح کی پیش ․ ․ کا کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ان دونوں نے مجھے اس طرف متوجہ کیا تو میں فورا چادر گھسیٹتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی درخواست لیے جا پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ کچھ (مہر کے لیے) ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ گھوڑے کی تمہیں (جنگوں کے علاوہ عام سواری کے لئے بھی) ضرورت رہے گی البتہ زرہ بیچ آؤ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار سو اسی (۴۸۰) درھم میں وہ زرہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے پاس بیچی اور درہم لا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ درہم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا کہ اس کی خوشبو وغیرہ خرید کر لاؤ۔ پھر آپ نے کچھ سامان تیار کرنے کا حکم دیا تو ایک بان کی چارپائی ایک چمڑے کا تکیہ جس میں اذخر گھاس کا بھراؤ تھا (انہی دراہم سے) حضرت فاطمہ کے لیے تیار کیا گیا۔''

مذکورہ روایات اور کچھ دیگر قرائن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سامان اس زرہ کی قیمت سے خریدا گیا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطور 'مہرِ معجل' (بطور ایڈوانس مہر) دی گئی تھی لیکن اگر بالفرض اس کے برعکس یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے یہ سامان اپنی بیٹی کو دیا تھا تو تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مروجہ جہیز سنت ہے کیونکہ:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معمولی سا گھریلو سامان اس لیے دیا ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے جس طرح خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب کی کفالت میں رہے تھے۔ علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مؤاخات کے موقع پر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو اپنا دینی بھائی بنایا تھا (دیکھئے مجمع الزوائد: ج۹/ص ۲۱۰) گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی کے موقع پر ضروری

انتظامات خود نبی کریم ﷺ کے ذمہ تھے، اس لیے اگر آپ ﷺ نے اپنی طرف سے یہ سامان دیا بھی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاشی حالت خاصی تنگ تھی اس لیے حضور ﷺ نے بطور اعانت انہیں یہ چند چیزیں مہیا کی ہوں گی۔ شرعی نقطہ نظر سے ایسی اعانت محمود ہے مذموم نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاشی حالت کی ترجمانی گزشتہ احادیث سے واضح ہے البتہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی اس حقیقت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے:

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں کنوئیں سے پانی کھینچتے کھینچتے اپنے سینے میں درد محسوس کرنے لگا ہوں جبکہ تمہارے والد (حضور ﷺ) کے پاس کچھ قیدی آئے ہیں لہذا تم جا کر کوئی قیدی ہی مانگ لاؤ۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس گئیں تو حضورؐ نے پوچھا: بیٹی کیا کام ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خادم مانگنے سے شرم آئی اور کہا کہ سلام دعا کے لیے حاضر ہوئی تھی اور بلا مطالبہ واپس چلی آئیں۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بنا؟ فرمانے لگیں کہ مجھے خادم مانگنے سے شرم آتی ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہؓ دونوں حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کنویں سے پانی کھینچنے کی وجہ سے میں اپنے سینے میں تکلیف محسوس کرنے لگا ہوں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم چکی پیستے پیستے میرے ہاتھ بھی گھس گئے ہیں اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قیدی عطا کر کے وسعت بخشی ہے۔ آپ ہمیں بھی ایک خادم عطا فرما دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں ان اصحاب صفہ کو چھوڑ کر تمہیں خادم دوں جو رات کو بھوکے سوتے ہیں جب کہ میرے پاس انہیں دینے کو کچھ بھی نہیں ہوتا! بلکہ میں یہ قیدی غلام بیچ کر ان کی قیمت اصحاب صفہ پر خرچ کروں گا۔

بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس تشریف لے گئے۔ پھر حضور ﷺ رات کے وقت ان کے پاس تشریف لائے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سونے کی

تیاری میں ایک چادر اوڑھ رکھی تھی (اور وہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اگر) اس سے سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے رہ جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ننگا رہ جاتا۔ حضور ﷺ کو دیکھ کر دونوں نے اٹھنا چاہا تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو اور فرمایا: کیا میں تمہیں غلام سے بہتر چیز کے بارے میں آگاہ نہ کروں؟ دونوں نے کہا: کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا کہ یہ چند کلمات مجھے جبریل نے بتائے ہیں کہ ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر کا ورد کر لیا کرو اور جب سونے کے لیے لیٹو تو چونتیس (۳۴) مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ نے یہ کلمات سکھائے ہیں میں نے انہیں کبھی ترک نہیں کیا۔"(۱)

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہائش کے لیے ذاتی مکان بھی نہیں تھا تو حضرت حارثہؓ نے اپنا ایک گھر خالی کر کے بطور اعانت آپ کے سپرد کر دیا۔(۲)

لہٰذا اگر حضور ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی جیب سے کچھ سامان دیکر رخصت کیا بھی ہے تو پھر یہ بطور اعانت تھا بطور رسم یا بطور جہیز پھر بھی نہیں تھا!!

۳۔ اعانت کی طرح ایک دوسرے کو ہدیہ و تحفہ دینا بھی مستحب ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **تهادوا تحابوا** ''آپس میں تحائف دیا کرو اس سے باہمی محبت بڑھتی ہے''(۳)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''كان رسول الله يقبل الهدية ويثيب عليها''(٤)

''اللہ کے رسول ﷺ ہدیہ قبول کرتے تھے اور اس کے بدلے میں بھی تحفہ دیا کرتے تھے۔''

اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے بطور تحفہ یہ چیزیں عنایت کی ہوں اور بطور تحفہ دولہا یا دلہن کو کوئی چیز دینا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب بھی ہے۔ البتہ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ فخر وریا اور نمود و نمائش کی نیت سے ایسا نہ کیا جائے۔

---

(۱) [أحمد(۱/۱۰٦)ابن ابی شیبه(۱۰/۲۳۲)البزار(۷۵۷)ابن سعد(۸/۲۵)]

(۲) [ابن سعد (۸/۲۲)الاصابة(۸/۲٦٤)]

(۳) [الادب المفرد(٥۹٤)البیهقی (٦/۱٦۹)تلخیص الحبیر (۳/۱٥۲)]

(٤) [بخاری(۲٥۸٥)]

مذکورہ بالا احادیث کی جمع و تطبیق سے معلوم ہوا کہ

۱۔ حق مہر کا پیشگی مطالبہ کیا جا سکتا ہے لیکن پیشگی مطالبے کو نکاح کی شرط بنا لینا درست نہیں
۲۔ مہر میں نقدی کی بجائے کوئی بھی قیمت والی چیز مقرر کی جا سکتی ہے۔
۳۔ مہر عورت کا حق ہے۔
۴۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز گمان غالب کے مطابق مہر کی رقم سے بنایا گیا تھا۔
۵۔ اگر بالفرض یہ جہیز کی رقم کے علاوہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی طور پر دیا ہے تو پھر اس کی بنیادی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ حضرت فاطمہؓ کی طرح حضرت علیؓ کے بھی کفیل تھے۔
۶۔ داماد اگر غریب اور مستحق ہو تو اسے بطور اعانت کچھ ضروری سامان مہیا کر دینا جائز ہی نہیں بلکہ ایک اخلاقی فریضہ بھی ہے۔
۷۔ دولہا یا دلہن کو شادی کے موقع پر تحفہ و ہدیہ دینا مستحب ہے۔
۸۔ لیکن یہ تحائف بطور فخر و مباہات یا احسان جتلانے کی نیت سے نہ ہوں۔
۹۔ اوران تحائف کے باوجود لڑکی کو اس کے حق وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔
۱۰۔ لڑکے والوں کی طرف سے جہیز کا مطالبہ کرنا انتہائی قبیح اور غیر اخلاقی حرکت ہے۔

حضرت ام حبیبہ (ام المؤمنین رضی اللہ عنہا) کا جہیز

حضرت ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رملہ بنت ابی سفیان، عبیداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں اور انہی کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئی تھیں لیکن عبیداللہ نے وہاں جا کر عیسائی مذہب قبول کر لیا اور اسی ارتداد کی حالت میں ہلاک ہو گیا جبکہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا دین اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم ۷ ہجری میں عمرو بن امیہ ضمری کو اپنا خط دیکر نجاشی کے پاس بھیجا اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ نجاشی رضی اللہ عنہ، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دے۔ نجاشی رضی اللہ عنہ نے بخوشی یہ پیغام منظور کر لیا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا جبکہ مہر اور جہیز کا بندوبست بھی خود نجاشی نے اپنی طرف سے کیا تھا۔ اس واقعہ سے متعلقہ روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ " ان رسول اللہ تزوج ام حبیبة وانھا بارض الحبشة زوجھا اياه النجاشي ومھرھا اربعة آلاف ثم جھزھا من عنده وبعث بھا الى رسول اللہ مع شرحبيل بن حسنة وجھازھا كله من عند النجاشي ولم يرسل اليھا رسول اللہ بشيء "

" نبی کریم ﷺ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے پیغام بھیجا جبکہ آپ حبشہ میں تھیں تو نجاشی نے آپ کا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کروایا اور انہیں چار ہزار درہم بطور مہر دیا پھر اپنی طرف سے ہی ام حبیبہ کو جہیز دیا اور انہیں شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کا کل سامان نجاشی کی طرف سے تھا جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی چیز نہ بھیجی تھی۔"(۱)

۲۔ طبقات ابن سعد میں یہ تفصیلی واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں اپنے خاوند عبیداللہ کو انتہائی قبیح صورت میں دیکھا جس سے میں گھبرائی اور میں نے (تعبیر کرتے ہوئے) کہا کہ اس کی حالت (اسلام) متغیر ہوگئی ہے۔ صبح ہوتے ہی عبیداللہ نے کہا: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا! میں نے مختلف ادیان پر غور وفکر کیا اور میں عیسائیت کو سب سے عمدہ خیال کر کے اس کے قریب آ گیا، پھر میں نے محمد ﷺ کے دین کو اختیار کیا لیکن اب پھر میں عیسائی بن گیا ہوں۔ میں نے کہا: بخدا! اس (عیسائیت) میں تمہارے لیے خیر نہیں پھر میں نے اسے اپنا خواب سنایا لیکن اس نے خواب کی پروا نہ کی اور شرابی بن کر اسی (کفر کی) حالت پر فوت ہوا۔ پھر میں نے خواب دیکھا کہ کوئی مجھے ام المؤمنین کہہ کر پکار رہا ہے۔ گھبراہٹ سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اس خواب کی تعبیر یہ سمجھی کہ مجھ سے اللہ کے رسول ﷺ نکاح کریں گے۔ ابھی میری عدت کا اختتام ہی تھا کہ دروازے پر نجاشی کا قاصد اجازت مانگ رہا تھا اور اس کی ایک ابرہہ نامی لونڈی جو اس کے لباس اور عطریات وغیرہ کی نگران تھی، میرے پاس آ کر کہنے لگی کہ بادشاہ نے آپ کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ اسے (یعنی نجاشی کو) نبی کریم ﷺ کی طرف سے یہ پیغام آیا ہے کہ وہ (نجاشی) تمہارا نکاح حضور ﷺ سے کر دیں۔ خادمہ (ابرہہ) نے کہا کہ بادشاہ نے آپ کو اپنا وکیل مقرر کرنے کا کہا ہے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے

(۱) [احمد(٤٢٧/٦)حاكم(٢٢/٤)]

خالد بن سعید کو اپنا وکیل مقرر کیا اور اس پیغام کی خوشی میں ابراہہ کو اپنے دونوں کنگن، دونوں پازیب اور چاندی کی انگوٹھیاں عنایت کر دیں۔

نجاشی نے سب لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ میں حضور ﷺ کا نکاح آپ (ام حبیبہؓ) سے کردوں۔ میں اس حکم کی بجا آوری میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو چار سو دینار مہر اپنی طرف سے پیش کرتا ہوں اور وہ دینار سب لوگوں کے سامنے رکھ دیئے۔ پھر خالد بن سعید نے اسی طرح خطبہ دیکر کہا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور ﷺ سے کرتا ہوں...... دوسرے دن ابراہہ (خادمہ) میرے پاس عود، عنبر، ورس اور بہت سی کستوری وغیرہ لے کر آئی اور میں یہ ساری چیزیں حضور ﷺ کے پاس لے کر حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے میرے پاس یہ ساری چیزیں دیکھیں لیکن کچھ نہیں کہا۔ [(۱)]

مذکورہ واقعہ سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ شادی کے موقع پر تحائف وغیرہ کی صورت میں جہیز کا سامان دینا عرب اور حبشہ وغیرہ میں بھی معروف تھا۔

۲۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے موقع پر حق مہر اور جہیز کا سامان شاہ حبش، یعنی اصحمہ نجاشی نے اپنی طرف سے دیا تھا۔

۳۔ حضرت ام حبیبہ نے جب نجاشی سے ملنے والا سامان حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپؐ نے اس پر خاموشی اختیار کی جس سے جہیز کی کسی حد تک گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ تاہم اس کے باوجود اس کی نوعیت موجودہ رسم جہیز سے سراسر مختلف تھی۔ لہذا اسے موجودہ رسم جہیز پر قیاس کرنا درست نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بغیر مطالبہ کے کوئی جہیز دے دیتا ہے تو اسے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ مباح کے درجہ میں ہے لیکن شادی سے پہلے جہیز کی شرط لگانا یا جہیز کا مطالبہ کرنا بالکل درست نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسے 'سنت رسول' قرار دیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) [طبقات ابن سعد (۹۸،۹۷/۸)]

جہیز سے متعلقہ ساری بحث کا خلاصہ اور کچھ تجاویز!

۱۔ جہیز ایک معاشرتی رسم ہے جس کا شرعی احکام سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ جہیز کو شادی کی شرط سمجھنا حماقت ہے۔

۳۔ جہیز کے بدلے میں لڑکی کو حق وراثت سے محروم کرنا اللہ کی حدود کی صریح خلاف ورزی ہے۔

۴۔ جہیز کا مطالبہ کرنا ایک غیر اسلامی عمل اور اخلاقی جرم ہے۔

۵۔ جہیز کی رسم پر مجبوراً عمل کرنا یا زبردستی عمل کروانا ایک غیر شرعی امر ہے۔

۶۔ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں جہیز کی یہ صورت بالکل نہیں تھی جو آج ہمارے معاشرے میں ہندوؤں کی دیکھا دیکھی سرایت کر چکی ہے۔

۷۔ رسم جہیز کے بے شمار معاشرتی، اخلاقی اور دینی نقصانات پیدا ہو چکے ہیں جن سے کسی بھی صاحب فہم کو مجال انکار نہیں۔

۸۔ رسم جہیز کے نقصانات کے پیش نظر اگر کوئی حکومت اپنے زیر انتظام علاقے میں تدبیری امور کے تحت اس پر پابندی عائد کر دے اور خلاف ورزی کرنے والوں پر تاوان لاگو کرے، تو اس کی گنجائش موجود ہے۔

۹۔ رسم جہیز کو اگر شادی کی لازمی شرط سمجھا جائے تو پھر چونکہ یہ اسلامی آدابِ نکاح میں ایک اضافہ ہے جس کی بنا پر اسے 'بدعت' سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

۱۰۔ جہیز کو بلا استثنا لعنت یا حرام کہنا یا اسے تمام معاشرتی اور غیر معاشرتی مسائل کی جڑ قرار دینا، یقیناً غلو، مبالغہ اور ایک دوسری انتہا ہے۔

۱۱۔ مہر کی رقم سے جہیز کا سامان تیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۲۔ داماد اگر غریب اور مستحق ہو تو لڑکی والے حسب حیثیت اس کی اعانت کرتے ہوئے اپنی بیٹی کو ضروری اشیا مہیا کر سکتے ہیں۔

۱۳۔ شادی کے موقع پر والدین اپنی بیٹی کو اگر بخوشی تحفہ دینا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۱۴۔ جہیز کا سامان فخر و تکبر، نمود و نمائش اور شہرت بڑھانے کی نیت سے ہرگز نہ دیا جائے۔

۱۵۔ قرض اٹھا کر، بھیک مانگ کر یا کسی بھی اور ناجائز طریقے سے جہیز جمع نہ کیا جائے۔

۱۶۔ اگر کچھ دینا ہی ہے تو اپنی حیثیت سے بڑھ کر تحائف دینے کی کوشش نہ کی جائے۔

۱۷۔ اگر کوئی سامان دینا ہی ہو تو کوشش کی جائے کہ شادی کے بعد کسی مناسب موقع پر دیا جائے تا کہ ہندوانہ رسم سے مشابہت نہ ہو پائے۔

۱۸۔ اگر گھریلو سامان کی بجائے حسب حیثیت نقدی دے دی جائے تو اس کے فوائد زیادہ ہیں مثلاً:

(۱)...... شادی کے موقع پر اس ہندوانہ نمائشی رسم کا خاتمہ ہوگا۔

(۲) ...... نقدی مالیت سے خاوند بیوی اپنی فوری مطلوبہ ضرورت پوری کر سکیں گے۔

(۳) ...... نقدی کی صورت میں کئی غیر ضروری اشیا اور اسراف وتبذیر سے بھی جان چھوٹ جائے گی۔

(۴) ...... اگر لڑکی اس نقدی سے ضرورت سے زائد رقم کو اللہ کی راہ میں خیرات کرنا چاہے تو اس کے لیے سہولت ہوگی۔

(۵) ...... نقدی سے کاروباری ضروریات پوری کرنے میں بھی سہولت ہے۔

۱۹۔ لڑکی والوں کی نسبت لڑکے والوں کو اس رسم کے خاتمے کی زیادہ کوشش کرنی چاہیے کیونکہ لڑکی والوں کی نسبت لڑکے والوں کے لئے ایسا کرنا زیادہ ممکن ہے اور اس کی زیادہ ذمہ داری بھی انہی پر عائد ہوتی ہے۔

۲۰۔ جہیز کے بارے میں افراط و تفریط کی بجائے راہ اعتدال ہی دنیوی واخروی نجات کی بنیاد ہے۔

باب......[3]

کیا جھیز دینا 'سنت رسول' ھے......؟

[جہیز کو سنت رسول قرار دینے والوں کے شبہات کا ازالہ!]

[جھیز کی شرعی حیثیت کے حوالے سے ھفت روزہ 'الاعتصام' لاھور (۱۳ تا ۱۹ فروری ۲۰۰۴ء) میں راقم الحروف کا ایک مضمون بعنوان "کیا حضور ﷺ نے اپنی بیٹیوں کو جھیز دیا تھا؟" شائع ھوا، جس پر سلیم اختر نامی کسی صاحب نے نقد کیا اور یہ موقف پیش کیا کہ جھیز حضور ﷺ کی 'سنت' ھے. اس پر راقم الحروف نے ان کا بھرپور تعاقب کیا جو مضامین کی شکل میں مذکورہ جریدہ ھی میں (سن ۲۰۰۴ء کے) مختلف شماروں میں شائع ھوا. اس باب میں جھیز کو سنت قرار دینے والوں کے انھی شبھات کا ازالہ کیا گیا ھے جو مضمون نگار نے میرے مضمون پر تنقید کرتے ھوئے پیش کئے ھیں. اس میں بعض چیزوں کا تذکرہ اختصار اور بعض کا تکرار کے ساتھ کیا گیا ھے. اگر پچھلے باب کو غور سے پڑھ لیا جائے تو اس باب میں موجود شبھات اور ان کے جوابات کو سمجھنے میں کوئی الجھن پیدا نہ ھو گی. اور ویسے بھی اس میں بعض مفید علمی نکات زیر بحث آگئے ھیں اس لئے قارئین کے استفادہ کے لیے اسے اس باب میں پیش کیا جا رھا ھے (مصنف)]

کیا جہیز دینا 'سنت رسول' ہے......؟

نقطۂ اختلاف کیا ہے؟

مضمون نگار کی تنقیدی تحریر کا ایک پہلو نفس مسئلہ سے متعلق تھا اور یہی پہلو حقیقت میں قابل بحث ہے۔اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ متعین کرلیا جائے کہ میرا اور مضمون نگار کا اصل اختلاف کن کن چیزوں میں ہے؟ پھر اصولی طور پر انہی چیزوں پر دلائل کو پرکھ لیا جائے۔لہٰذا آئندہ سطور میں پہلے انہی اختلافی امور کا سرسری تذکرہ کیا جائے گا اور اس کے بعد ان کی ضروری تفصیل پیش کی جائے گی۔

❶ سب سے پہلی بات 'جہیز' کی تعریف ہے۔مضمون نگار کی رائے میں شادی کے موقع پر لڑکی کو دی جانے والی ہر چیز ''جہیز'' ہے،خواہ وہ والدین دیں یا دیگر اقارب وغیرہ۔ مضمون نگار کی یہ رائے انہی کی درج ذیل عبارتوں سے مترشح ہوتی ہے:

(۱) ''شادی کے موقع پر اپنی بیٹی کو کچھ عطیات دے دیے جائیں تو وہ جائز ہے اور محدثین نے اسے جہیز ہی قرار دیا ہے۔'' (الاعتصام ۳۰ اپریل ۲۰۰۴ء ج ۵۶ ش ۱۷ ص ۹)

(۲) ''آپ جہیز کا نام اعانت رکھ لیں یا تحفہ یا ہدیہ،نام بدلنے سے اس کی حقیقت تبدیل نہیں ہوگی۔'' (الاعتصام ۱۴ مئی ۲۰۰۴ء ج ۵۶ ش ۱۹، ص ۲۰)

(۳) اس حدیث کی موجودگی میں اسے (یعنی جہیز کو۔ناقل) رسم کہنا درست نہیں کیونکہ یہ نبی اکرم ﷺ کی تقریری سنت ہے۔اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ ؓ کو بھی جہیز دیا۔'' (الاعتصام، ج ۵۶ ش ۱۷، ص ۱۰)

(۴) جہیز دراصل والدین کی طرف سے بیٹی کو ایک دوسرے گھر میں رخصت کرتے وقت کا

ایک تحفہ ہے کہ بیٹی دوسرے گھر جارہی ہے، اسے خالی ہاتھ روانہ نہ کریں بلکہ اسے کچھ تحائف وغیرہ دیئے جائیں جیسا کہ آج کل ہم کسی عزیز کو کسی جگہ رخصت کرتے وقت عموماً کوئی تحفہ دیتے ہیں۔ جہیز بھی اس کی ایک صورت ہے۔'' (یہ اقتباس مضمون نگار ہی کی ایک تحریر بعنوان ''جہیز دینا سنت ہے!'' مطبوعہ ہفت روزہ 'غزوہ' لاہور (۱۹ تا ۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء) سے ماخوذ ہے)

❷ دوسری اختلافی بات یہ ہے کہ یہ جہیز کون دے گا؟ اس سلسلہ میں مضمون نگار کی رائے یہ ہے کہ یہ والدین یا لڑکی کا سرپرست دے گا جیسا کہ ان کے مذکورہ بالا اقتباس نمبر (۴) سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہماری رائے پہلے نکتہ کی تفہیم پر مبنی ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

❸ تیسری اختلافی بات یہ ہے کہ جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟...... فرض؟ سنت؟ یا مباح؟ مضمون نگار کی رائے میں یہ سنت ہے جیسا کہ ان کے مذکورہ بالا اقتباس نمبر (۳) وغیرہ سے واضح ہے بلکہ مضمون نگار نے اپنے دوسرے مطبوعہ مضمون کا عنوان ہی یہ رکھا ہے کہ ''جہیز دینا سنت ہے'' (دیکھیے ہفت روزہ 'غزوہ' ۱۹ مارچ ۲۰۰۴)

اس سلسلے میں ہمارے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کے لیے رہائش اور رہائشی سامان وغیرہ مہیا کرنا خاوند پر فرض ہے۔ اسے اگر آپ جہیز کا نام دیتے ہیں تو پھر جہیز دینا خاوند کے ذمہ ہے۔ البتہ اگر لڑکی کے والدین وغیرہ اپنی خوشی سے کوئی سامان دینا چاہیں تو یہ سنت نہیں بلکہ مباح ہے۔ لیکن اس میں بھی ان اقدامات سے بہرحال گریز ہی کیا جائے گا جو غیر مسلموں کی مشابہت اور نقالی پر مبنی ہونے کی وجہ سے خلاف شرع ہوں گے۔ اب مذکورہ بالا تینوں نکات کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

پہلا نکتہ: یعنی ہدیہ وتحفہ، جہیز اور رسمِ جہیز میں فرق

پہلا نکتہ یہ تھا کہ ہدیہ وتحفہ، جہیز اور رسم جہیز ایک ہی چیز ہے یا قدرے مختلف چیزیں؟ مضمون نگار نے انہیں ایک ہی چیز کے مختلف نام سمجھ کر غلطی کی ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ تین الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہدیہ، تحفہ، ہبہ وغیرہ تو اس چیز کو کہا جاتا ہے جو خوش دلی سے اور بلا معاوضہ کسی کو دی جائے، خواہ شادی کے موقع پر دی جائے یا کسی اور موقع پر۔ اور یہ ایک مستحب عمل ہے جس سے کوئی صاحب علم بھی اختلاف نہیں کر سکتا لیکن مضمون نگار نے تحفے اور جہیز کو ایک ہی زاویئے پر رکھ کر پرکھنے کی جو کوشش کی ہے وہ درست نہیں۔ مثلاً دلیل نمبر ۳ کے تحت مضمون نگار نے یہ حدیث درج کی ہے:

''جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کا (جو جنگ بدر میں گرفتار کیے گئے تھے) فدیہ بھیجا تو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالعاص بن الربیع کے فدیے میں کچھ مال اور وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کے ساتھ بوقت رخصتی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو دیا تھا۔'' (آگے چل کر مضمون نگار لکھتے ہیں) ''اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ بوقت نکاح بیٹی کو حسب استطاعت جہیز دیا جا سکتا ہے جیسا کہ لاہوری صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے اور اسے تحفے سے تعبیر کیا ہے۔ اب آپ اسے تحفہ کہہ لیں یا بقول لاہوری صاحب ''اعانت'' کہہ لیں۔ خواہ کوئی بھی نام رکھ لیں، نام رکھنے سے اس کی حقیقت تبدیل نہیں ہوگی۔'' (الاعتصام، ایضاً، ص ۱۱)

مضمون نگار نے ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے شادی کے موقعے پر ملنے والے ہار سے جو استدلال کیا ہے، قارئین خود ہی ملاحظہ فرمالیں کہ کیا وہ 'جہیز' کہلا سکتا ہے؟ آج اگر کوئی شادی کے موقعے پر دلہن کو ایک 'ہار' عنایت کر دے تو اسے 'جہیز' تسلیم کر لیا جائے گا؟ جہیز کو سنت قرار دینے والوں کے فتویٰ کی پیروی میں 'سنتِ جہیز' میں بڑھ چڑھ کر

حصہ لینے والے کیا ایسی دلہن جسے والدین کی طرف سے ایک ہار ہی ملا ہو، یہ کہہ کر گوارا کرلیں گے کہ ہاں یہ 'جہیز' لے کر آئی ہے؟! بلکہ آج کل جو لوگ دلہا کو 'ہار' پہناتے ہیں پھر تو وہ بھی 'جہیز' ہی ہوا۔ فیاللعجب!

حقیقت یہ ہے کہ شادی کے موقع پر اس قسم کے تحائف کو نہ پہلے کسی نے جہیز قرار دیا، نہ محدثین وفقہا نے اس سے جہیز کے سنت ہونے کا استدلال کیا اور نہ ہی آج اسے کوئی جہیز تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے۔

اگر مضمون نگار تحفے اور ہدیے سے متعلقہ اس حدیثِ زینب رضی اللہ عنہا پر مروجہ جہیز کو قیاس کر کے اسے 'سنت' قرار دینے پر مصر ہیں تو اس کو بنیاد بنا کر کوئی منچلا نیوتہ بازی (نیوندرا) کو بھی سنت قرار دے لے گا۔ اور تحفے والی احادیث کو بطور دلیل پیش کرے گا کہ...... ''جی دیکھیے! شادی پر تحفہ دینا سنت ہے اور نیوتہ بازی بھی تحفے ہی کی ایک صورت ہے، لہٰذا نیوتہ بھی سنت رسول ہے خواہ اسے آپ نیوتہ کہیں یا تحفہ یا کچھ اور...... نام بدلنے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو جائے گی ...... لہٰذا نیوتہ کو ہندوانہ رسم کسی طرح بھی قرار نہیں دیا جا سکتا......!''

تو کیا اس کے اس استدلال سے مروجہ نیوتہ کی رسم کو بھی سنت تسلیم کر لیا جائے گا؟!

اب آیئے جہیز اور رسم جہیز کے فرق کی طرف

لفظ ''جہیز'' اگرچہ عربی زبان کے لفظ "جھـــز" (ج۔ھ۔ز) سے بنا ہے مگر اس کے باوجود عربی زبان میں لفظ ''جہیز'' کا استعمال نہیں ملتا۔ بلکہ اس کی جگہ ''جہاز'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہے: ''ساز و سامان''۔ مثلاً قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں یہ لفظ اسی معنیٰ میں مذکور ہے۔[دیکھئے: سورہ یوسف: ۷۰] مجاہد کے ساز و سامان کی تیاری کے سلسلہ میں بھی ایک حدیث میں یہ لفظ وارد ہوا ہے۔

15409

[دیکھئے: بخاری: ۲۸۴۳] اسی طرح میت کے کفن دفن سے متعلقہ سامان، شادی کے موقع پر گھر سے متعلقہ سامان اور قافلے وغیرہ کے ساز وسامان کے لیے بھی عربی میں جہاز یا تجہیز کے الفاظ ملتے ہیں مگر جہیز کے الفاظ کہیں نہیں ملتے۔ ہماری زبان میں ''امالہ'' کر کے عربی کے لفظ ''جہاز'' کو ''جہیز'' بنالیا گیا ہے۔ مگر ہماری زبان میں جہاں اس لفظ میں تبدیلی ہوئی وہاں اس کے تصوراتی پس منظر میں بھی تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ ہمارے ہاں جسے جہیز (شادی کا سامان) کہا جاتا ہے، اس کے لیے قدیم عربی لغت اور عہد نبوی وغیرہ میں تو کوئی خاص لفظ نہیں تھا، البتہ جدید عربی لغت میں اس کے لیے لفظ "البائنة" وضع کیا گیا ہے جیسا کہ صاحب المنجد "بین" مادہ کے تحت لکھتے ہیں:

"البائنة، البائن کا مؤنث۔ دلہن کا جہیز (مولدة)'' [المنجد مترجم: ص ۸۲]

اس لفظ البائنة کے آخر میں "مولدة" لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ قدیم عربی لغت میں موجود نہیں تھا لیکن اب ضرورت کے تحت اسے وضع کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی سوچنے کے قابل ہے کہ جس مفہوم کے لیے عربی میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں رہا وہ بالآخر سنت رسول کیسے بن گیا؟

مذکورہ بالا تفصیل اس لیے دی گئی ہے تا کہ ہم جہیز اور رسم جہیز کے فرق کو بھی اچھی طرح سمجھ سکیں۔ احادیث اور عربی لغت میں شادی اور دیگر مواقع پر تیار کیے جانے والے گھریلو ساز وسامان کے لیے جہاز کا لفظ استعمال ہوا ہے اور شادی کے موقع کا گھریلو سامان وغیرہ اصولی طور پر مرد (دولہا) کے ذمہ ہے اور وہی اس سامان کا انتظام کیا کرتا تھا۔ مگر ہمارے ہاں اس جہیز کا اصل مصداق لفظ ''کنیا دان'' (لڑکی کا جہیز) ہے جو ایک ہندی لفظ ہے اور ہندووانہ رسمِ جہیز کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں اس رسم کے اظہار کا طریقہ یہ تھا (اور اب بھی ہے) کہ شادی کے موقع پر لڑکی کے والدین یا گھر والے اسے گھر کا ضروری سامان دے کر رخصت کیا کرتے تھے، اس کے بغیر ان کی شادی پوری نہیں سمجھی جاتی تھی۔

پھر اس جہیز کے بعد لڑکی کو والدین کے ورثہ سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ یہ رسم آج بھی ہندو معاشرے میں موجود ہے بلکہ اب تو اس کی صورت اتنی سنگین ہو چکی ہے کہ مدراس یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے ایک پروفیسر ڈاکٹر سجاد حسین کے بقول:

''جنوبی ہند میں جہیز کے بغیر شادی کا تصور ادھورا ہے اور اگر کوئی لڑکی رشتہ کے لیے پسند کی گئی تو پھر بات چیت جوڑے کی رقم (نقد رقم) سے شروع ہوتی ہے اور پھر باضابطہ سودے بازی ہوتی ہے۔ اگر لڑکا کلرک ہو تو اس کے لیے جوڑے (یعنی جہیز لینے) کی رقم دس سے پچیس ہزار روپے زرِ نقد مقرر ہے، آفیسر ہو تو ۲۵ سے ۴۰ ہزار اور اگر لیکچرر، ڈاکٹر یا انجینئر وغیرہ ہو تو اس کے لیے ۵۰ سے ۷۵ ہزار روپے جوڑے کی رقم کے طور پر مقرر ہے۔ اور لڑکی کے لیے زیورات تو بہرحال اس کے والدین کے ذمہ ہیں۔'' [دیکھئے: ''فتنہ جہیز'' از قلم: عبدالرحمٰن کوندو۔ صفحہ ۳۲، ۳۳]

اس قدر صاف اور واضح صورتِ حال کے باوجود ہمارے مضمون نگار جہیز کو ہندوانہ رسم تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ الٹا اسے ''سنت رسول'' قرار دینے کے علاوہ یہ پیوند کاری کر رہے ہیں کہ جہیز تو سنت رسول سمجھ کر دیا جائے مگر اس کے ساتھ ''بیٹی کو وراثت کے حق سے محروم نہ کیا جائے۔'' [الاعتصام ایضاً ص ۹]

ہماری رائے پہلے بھی یہ تھی اور اب بھی یہی ہے کہ بنیادی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے نہ کہ عورت یا اس کے گھر والوں کی۔ عورت اگر بغیر کسی دباؤ اور مطالبے کے کچھ لے آئے تو یہ مباح ہونے کی وجہ سے جائز ضرور ہے مگر لڑکا یا اس کے گھر والے اس سامان کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ اور نہ اسے ''سنت رسول'' قرار دے کر اس کی رغبت ہی دلا سکتے ہیں! جہاز اور رسم جہیز کے اسی فرق کو ممتاز کرنے کے لیے میں نے پہلے رسم جہیز کو رسم جہیز ہی کے الفاظ میں اور جہاز کو مجرد لفظ ''جہیز'' کے ساتھ بیان کیا تھا مگر مضمون نگار نہ جہیز اور رسم جہیز کے فرق کو سمجھ سکے اور نہ ہدیہ وتحفہ، اعانت اور جہیز کے اختلاف کا ادراک کر پائے بلکہ الٹا وہ اسے میرا ''تردد'' قرار دیتے رہے۔

دوسرا نکتہ: جہیز عورت لائے گی یا خاوند دے گا؟

یہ بات گزشتہ سطور میں مختصراً عرض کر دی گئی ہے کہ ''جہیز'' (یعنی گھریلو ضروریاتِ زندگی) شوہر کی ذمہ داری ہے۔ بلکہ اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی منکوحہ کو رہائش مہیا کرے۔ ذیل میں ہم قرآن وحدیث کے چند دلائل پیش کرتے ہیں جن سے ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے:

[1]...... ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾[النسآء ـ ٣٤]

''مرد عورتوں پر نگران ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔''

[2]...... ﴿ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ﴾ [الطلاق ـ ٦]

''تم اپنی حیثیت کے مطابق جہاں رہتے ہو وہاں اپنی بیویوں کو بھی (اپنے ساتھ) رکھو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔''

[3]...... ﴿ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ﴾

''خوش حال کو چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچہ دے اور تنگ دست اللہ کے دیے ہوئے میں سے (اپنی حیثیت کے مطابق) خرچہ دے۔''[الطلاق : ٧]

[4]...... ﴿ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾[البقرة: ٢٣٣]

''ان (یعنی ماں اور بچے) کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہے۔''

احادیث سے دلائل

[1]...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (خطبہ حجۃ الوداع

کے موقع پر) فرمایا: وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ [مسلم: ۱۲۱۸]

''تمہاری بیویوں کا یہ تم پر حق ہے کہ تم انہیں معروف طریقے کے مطابق ان کا نان ونفقہ اور کپڑے (وغیرہ) مہیا کرو۔''

[2]...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بیویوں کے کون سے حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ اَوِ اكْتَسَبْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ[ابو داؤد (۲۱۴۲) ترمذی (۱۱۶۳) ابن ماجه (۱۸۵۰)]

''یہ کہ تم انہیں کھلاؤ جب تم کھاؤ اور انہیں بھی پہناؤ جب تم پہنو اور ان کے چہرے پر نہ مارو، انہیں برا بھلا نہ کہو اور (ناراضی کی صورت میں) اُن سے علیحدگی گھر ہی میں کرو۔''

جہیز کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

قرآن وحدیث کے مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ رہائش اور رہائش سے متعلقہ بنیادی ساز وسامان (جہیز وغیرہ) کی فراہمی لڑکی یا اس کے اولیاء پر نہیں بلکہ خاوند کے ذمہ ہے اور یہی بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول سے ثابت ہے جیسا کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا تو (میرے جہیز کے حوالے سے) فرمایا:

اَمَا اِنِّي لَا اَنْقُصُكِ مِمَّا اَعْطَيْتُ اَخَوَاتِكِ : رَحَيَيْنِ وَ جَرَّةً وَمِرْفَقَةً مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ [مسند احمد (۶/ ۲۹۵، ۳۱۴) الفتح الربانی (۱۶/ ۱۷۷، ۲۱/ ۶۸)]

''میں نے تمہاری (دینی) بہنوں (یعنی دیگر ازواج) کو جو دو چکیاں، گھڑا، چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہو (وغیرہ) سامان دیا ہے، تمہیں بھی وہ ساز وسامان دوں گا اور اس میں سے کچھ بھی کم نہیں کروں گا۔''

واضح رہے کہ اس حدیث پر امام احمد عبدالرحمٰن البنا نے جہیز کا عنوان (یعنی "باب ما جاء فی الجهاز") قائم کیا ہے۔اور مسند احمد کے جدید مطبوعہ نسخہ کے محقق نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

قرآن و حدیث کے مذکورہ بالا دلائل اور نبی اکرم ﷺ کے معمول سے ثابت ہوا کہ گھریلو ساز و سامان (جہیز) کی فراہمی اصولی طور پر خاوند کی ذمہ داری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے غریب اور محتاج ہونے کی صورت میں کوئی اور یہ ذمہ داری پوری کرنے میں اس کی اعانت کر دے۔خواہ وہ اس کے اپنے دوست احباب اور عزیز و اقارب ہوں یا لڑکی کے اولیاء اور سرپرست وغیرہ۔ یہی بات تمام فقہاء و علماء نے اپنی کتابوں میں بیان کی ہے حتی کہ متاخرین میں سے علامہ سید سابق ہی کی فقہ السنۃ میں اگر مضمون نگار جہیز کا بیان ملاحظہ فرما لیتے تو انہیں صریح الفاظ میں یہ بات پڑھنے کو ملتی کہ

"واما المسئول عن اعداد البیت اعدادا شرعیا و تجهیز کل ما یحتاج له من الاثاث و الفرش و الادوات فهو الزوج ،والزوجة لا تسئل عن شئی من ذلك" [فقه السنة (ج ۲ ۔ص ۱۱٤)]

"گھر کی شرعی تیاری اور گھر کے لئے ہر اس چیز کی فراہمی جس کی ضرورت ہوتی مثلاً سامان، بستر، برتن، وغیرہ، ان سب کا ذمہ دار و مسئول شوہر ہے،عورت نہیں"

تیسرا نکتہ یعنی جہیز کی شرعی حیثیت

جمہور فقہائے اہل سنت کے نزدیک کسی بھی چیز کی شرعی حیثیت پانچ درجوں میں محصور ہے۔یعنی یا تو وہ چیز واجب (فرض) ہوگی یا مندوب (جسے وہ سنت اور مستحب بھی کہتے ہیں) یا حرام یا مکروہ یا مباح ہوگی۔

اس لحاظ سے جہیز کی شرعی حیثیت کو زیر بحث لایا جائے تو راقم الحروف اسے "مباح"

سمجھتا ہے مگر ہمارے ''تنقید نگار'' چند روایات کے ظاہری الفاظ سے مغالطہ کھاتے ہوئے اسے ''سنت'' قرار دینے پر مصر ہیں۔ یہ سنت ہے یا مباح؟ اس کی تفصیل سے پہلے سنت اور مباح کا جو فرق اصول فقہ میں بیان کیا گیا ہے، اسے واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ نہ صرف عام قارئین بلکہ خود تنقید نگار جو اس فرق کو سمجھنے سے یا تو قاصر رہے یا پھر چشم پوشی کر گئے، اسے مدنظر رکھتے ہوئے اپنے موقف پر نظر ثانی کر سکیں۔

اصول فقہ کی معروف درسی کتاب "الوجیز فی اصول الفقه" [ص ۴۷] میں مباح کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"اَلْمُبَاحُ: هُوَ مَا خَيَّرَ الشَّارِعُ الْمُكَلَّفَ بَيْنَ فِعْلِهِ وَتَرْكِهِ وَلَا مَدْحَ وَلَا ذَمَّ عَلَى الْفِعْلِ وَالتَّرْكِ"

'' مباح اس کام کو کہتے ہیں جس کے کرنے یا چھوڑنے کا شارع کی طرف سے مکلّف کو اختیار دے دیا جائے۔ نیز اس کے کرنے پر کوئی مدح و تعریف یا نہ کرنے پر کوئی مذمت نہ کی گئی ہو۔''

کسی چیز کے مباح ہونے کا علم کیسے ہوگا؟ اس کے لیے اصولیین نے چند ضابطے بیان کیے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ

"اِسْتِصْحَابُ الْاِبَاحَةِ الْاَصْلِيَّةِ لِلْاَشْيَاءِ بِنَاءً عَلَى اَنَّ الْاَصْلَ فِيْهَا الْاِبَاحَةُ"

''یعنی تمام چیزوں میں اصلی حالت اباحت کی ہے۔'' [الوجیز، ایضا۔ الأشباه والنظائر للسیوطی ص: ٦٠]

واضح رہے کہ اس قاعدے کا تعلق معاملات سے ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قاعدے کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ علمائے سلف میں سے کسی نے اس سے انکار نہیں کیا اور کئی ایک احادیث اس قاعدے پر دلالت کرتی ہیں۔ چند ایک کا تذکرہ شیخ نے کیا بھی ہے۔ [دیکھیے: مجموع الفتاوی ج ٢١ ص ٥٣٤ تا ٥٣٩]

کسی چیز کی شرعی حیثیت (یعنی فرض، سنت وغیرہ) کے تعین کا تعلق ''فقہ'' سے ہے، اس لیے یہ بات طے ہے کہ فقہی مسائل واحکام کے استنباط میں اصول حدیث کی بجائے اصول فقہ کی اصطلاحات استعمال کی جائیں گی۔ جہیز کو سنت یا مباح قرار دینے کا تعلق ''فقہ'' سے ہے اور فقہ کے اصول وضوابط کی روشنی میں ''سنت'' ایک ایسی اصطلاح ہے جو مندوب ومستحب کے معنی میں فقہاء استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب "الوجیز" نے صفحہ ۳۹ پر لکھا ہے:

''مندوب کے بھی کئی نام ہیں یعنی سنت، نفل، مستحب، تطوع، احسان، فضیلت۔ ان سب الفاظ کا تقریباً ایک ہی مفہوم ہے جو مندوب کے ہم معنی ہے اور وہ یہ کہ کسی کام کے کرنے کو ترجیح دی گئی ہو، لازمی قرار نہ دیا گا ہو۔'' ...... ''مندوب اس فعل کو اس لیے کہتے ہیں کہ شارع نے اس فعل کو کرنے کی دعوت دی ہے، مستحب اس لیے کہتے ہیں کہ شارع نے اس کو پسندیدہ سمجھا ہے، نفل اس لیے کہتے ہیں کہ مقصود سے یہ چیز زائد ہے اور ثواب بھی زیادہ ہے، تطوع اس لیے کہتے ہیں کہ اس فعل کو کرنے والا اپنی خوشی اور پسند سے کرتا ہے، اس پر کوئی جبر نہیں ہے، فضیلت اس لیے کہتے ہیں کہ اس فعل کو چھوڑنے کے مقابلے میں کرنا بہتر ہے۔'' [نیز دیکھیے مترجم: جامع الاصول ص ٦٠]

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کوئی کام ہو اور آپ اس پر خاموش رہیں تو اصول حدیث کی اصطلاح میں تو اسے ''تقریری سنت'' یا ''تقریری حدیث'' کہا جا سکتا ہے لیکن اصول فقہ کی رو سے وہ کام 'سنت' (مندوب ومستحب) کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ

''......فَمُجَرَّدُ سُكُوْتِ النَّبِيِّ ﷺ لَا يُفِيْدُ أَكْثَرَ مِنْ إِبَاحَةِ الْفِعْلِ وَقَدْ يَسْتَفِيْدُ الْفِعْلُ صِفَةَ الْوُجُوْبِ أَوِ النَّدْبِ مِنْ دَلِيْلٍ آخَرَ" [الوجیز ص ١٦٧]

''آپ ﷺ کا محض خاموش رہنا اس فعل کے ''مباح'' ہونے سے زیادہ کسی دوسری بات کو

نہیں بتلاتا، البتہ اس فعل کا واجب یا مندوب (سنت) ہونا کسی دوسری دلیل ہی سے معلوم ہوگا۔"

اصول فقہ میں مباح اور سنت کے اس اصولی فرق کے بعد ہم زیر بحث فقہی مسئلے کی شرعی حیثیت پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ ہماری رائے پہلے بھی یہ تھی اور اب بھی یہی ہے کہ جہیز کا سامان اگر لڑکی اپنی طرف سے لے آئے تو وہ زیادہ سے زیادہ مباح ہے۔ اس لیے کہ اول تو یہ "معاملات" سے تعلق رکھنے والا مسئلہ ہے اور معاملات میں اصل اباحت ہی ہے۔ پھر اس کی حرمت یا مذمت قرآن وحدیث میں کہیں منقول نہیں۔ البتہ مروجہ جہیز کی وہ صورتیں جو کسی نہ کسی پہلو سے قرآن وسنت کی مجموعی تعلیمات کے منافی ہیں، مثلاً: جہیز دے کر وراثت سے محروم کرنا، ریا کاری اور مشابہتِ ہنود اختیار کرنا، جہیز کو شادی کی شرط قرار دے کر اس کا مطالبہ کرنا...... وغیرہ تو یہ مباح بھی نہیں ہیں بلکہ ان سے بہر صورت اجتناب کیا جائے گا۔ نیز مباح امور اگر کسی فتنے اور برائی کا ذریعہ بن جائیں تو بلا شبہ ان پر وقتی طور پر حکومتِ اسلامی پابندی عائد کرنے کا حق بھی رکھتی ہے۔

جہیز کے مباح ہونے کو ہمارے "تنقید نگار" نے بھی تسلیم کیا ہے مگر وہ اس سے آگے بڑھ کر اسے سنت یعنی مندوب ومستحب ہونے کا درجہ بھی دے رہے ہیں جو صریح طور پر غلط ہے۔ انہیں یہ غلطی جن روایات کی بنیاد پر لاحق ہوئی ہے، ذیل میں ان کا اصل مدعا ومفہوم واضح کیا جارہا ہے۔

پہلی دلیل کا تجزیہ

مضمون نگار نے جہیز کو "سنت" قرار دینے کی پہلی دلیل کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا واقعہ پیش کیا ہے جب کہ وہ حبشہ میں تھیں۔ نجاشی رضی اللہ عنہ بادشاہ نے آپ ﷺ کی شادی ان سے کردی اور ان کا چار ہزار حق مہر مقرر کیا۔ پھر اپنے

پاس سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا جہیز تیار کیا اور انہیں شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ کیا اور ''ام المؤمنین کا سارا جہیز نجاشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کی طرف کوئی چیز نہ بھیجی۔''

اپنی معلومات کی حد تک میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مندرجہ بالا حدیث سے جہیز کا اباحت سے بڑھ کر سنت (مستحب) ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں اس حدیث پر درج ذیل نکات کی روشنی میں تدبر کیا جائے تو صاحب تنقید کے خلاف اس میں غور و فکر کا کچھ اور سامان بھی ہے۔

❶ ......عورت کو مہر دینا اور گھر کا بنیادی ساز و سامان مہیا کرنا چونکہ خاوند کی ذمہ داری ہے، اس لیے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مہر دینا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے تھا اس طرح انہیں گھریلو ساز و سامان (جہیز) وغیرہ مہیا کرنا بھی آپ ہی کی ذمہ داری تھی اور اپنی دیگر ازواج مطہرات کو بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے گھریلو ساز و سامان (جہیز) مہیا کیا تھا۔ مگر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے معاملے میں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر کی ذمہ داری نجاشی رضی اللہ عنہ نے ادا کی، اس طرح جہیز کی ذمہ داری بھی اسی نے پوری کر دی۔ نیز نجاشی نے اس شادی میں چوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مندی معلوم ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل کا کردار ادا کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکاح خود پڑھایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل ہونے کی حیثیت سے مہر بھی اپنے پاس سے ادا کیا لہٰذا اُس نے جہیز کا سامان بھی خود دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دیگر شادیوں میں تو خود ہی یہ ذمہ داری ادا کی تھی جب کہ اس شادی میں چونکہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مدینہ سے دور حبشہ میں تھیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو اپنی اس شادی میں وکیل بنا لیا۔

اس پہلو سے اگر غور کیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مہر، جہیز اور دیگر لوازمات خاوند

کے ذمہ ہیں عورت کے ذمہ نہیں۔ اس لیے خاوند اس ذمہ داری کو خواہ خود پورا کرے یا اپنے وکیل کو یہ اختیارات دے دے، دونوں طرح درست ہے۔

❷ ...... یہاں یہ بھی واضح رہے کہ کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا وکیل (ولی) نجاشی نہیں بلکہ خالد بن سعید تھا جس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی سے اس شادی پر ان کی رضامندی اور نکاح کی سرپرستی کا فریضہ انجام دیا تھا۔لیکن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا جہیز اس کے اپنے سرپرست (یعنی خالد بن سعید) نے نہیں دیا تھا بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل یعنی نجاشی نے دیا تھا۔اس سے بھی وہی بات ثابت ہوتی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ یہ سامان لڑکی کے سرپرستوں پر نہیں بلکہ خاوند کے ذمہ ہے۔(اس واقعے کی مزید تفصیل راقم الحروف کی کتاب ھدیۃ العروس [ص ۲۷۸ تا ۲۸۰] میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے)

❸ ......نجاشی والی اس روایت کے درج ذیل الفاظ بھی ہماری اس بات کی تائید کرتے ہیں:

((وجهازها كله من عند النجاشي ولم يرسل اليها رسول الله ﷺ بشيء))

''ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سارا ساز و سامان (جہیز) نجاشی رضی اللہ عنہ ہی نے دیا تھا جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ کی طرف کوئی چیز نہیں بھیجی تھی۔''

اب اس اقتباس میں نجاشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جہیز دینے کے علاوہ یہ کہنے کی آخر کیا ضرورت تھی کہ ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی طرف کوئی چیز نہیں بھیجی تھی۔'' دراصل یہ الفاظ ہی اس حقیقت کی ترجمانی کررہے ہیں کہ عام حالات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بحیثیت خاوند جہیز کا سامان اپنی بیویوں کو مہیا کرتے رہے ہیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مذکور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

❹ ...... اگر بالفرض یہاں یہ اصرار کیا جائے کہ ''نجاشی ہی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ولی/ سرپرست تھا اور عورت کے سرپرست/ ولی کا جہیز دینا 'تقریری سنت' ہے'' تو اس پر پھر یہ

بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسی نجاشی نے چونکہ مہر بھی ادا کیا تھا اس لیے اس سے لازم آئے گا کہ پھر دولہا کا مہر بھی اگر لڑکی کا سر پرست ادا کرے تو یہ بھی ''تقریری سنت'' ہے کیونکہ اس مہر پر بھی آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی تھی!

کیا کوئی صاحب علم اس بات کو تسلیم کر لیں گے؟!

دوسری دلیل کا تجزیہ

مضمون نگار نے جہیز کو ''سنت'' قرار دینے کے لیے دوسری جس حدیث کا سہارا لیا ہے، وہ یہ ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک سفید اونی چادر، ایک مشکیزہ اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی،، بطور جہیز دیا۔'' [الاعتصام ایضاً]

مضمون نگار کو زیادہ مغالطہ اسی روایت سے ہوا ہے، اس لیے آئندہ سطور میں بعض نکات کے تحت اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

❶ ...... پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مہر کے لیے اپنی ''زرہ'' دی تھی۔ اسے مضمون نگار نے بھی تسلیم کیا ہے۔

❷ ...... دوسری بات یہ ہے کہ اسی زرہ سے آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سامان تیار کیا تھا جیسا کہ ایک روایت میں صراحت کے ساتھ اس کا تذکرہ بھی آیا ہے مگر مضمون نگار نے اس روایت کو ضعیف سمجھ کر نا قابل التفات قرار دینے کی کوشش کی ہے حالانکہ درج ذیل وجوہ کی بنا پر اسے نا قابل اعتنا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ا)...... پہلی وجہ یہ ہے کہ اس روایت کی ایک سے زیادہ اسناد ہیں اگرچہ ان اسناد میں بعض راویوں پر کلام بھی ہے مگر جب مختلف ضعیف اسناد سے ایک حدیث مروی ہو اور اس میں کوئی راوی، کذاب، متہم بالکذب یا فاسق نہ ہو تو اس کا ضعف دور ہو جاتا ہے۔

[دیکھئے: تدریب الراوی (ص ۱٤۲، ۱٤۳) وغیرہ]

اور شاید یہی وجہ ہے کہ محدث ابن حبان نے اسے صحیح تسلیم کرتے ہوئے اپنی حدیث کی کتاب "صحیح ابن حبان" [رقم الحدیث: ٦٩٠٥] میں درج کیا ہے۔ نیز فقہاء و محدثین کی ایک جماعت عقائد و احکام کے علاوہ امور یعنی معاملات میں ضعیف روایات کو مطلق طور پر اور بعض چند شرائط کے ساتھ لائق اعتنا تسلیم کرتے رہے ہیں۔

۲)...... دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مہر میں دی جانے والی زرہ سے جہیز کا سامان نہیں خریدا گیا تو پھر مضمون نگار خود ہی بتا دیں کہ یہ "زرہ" کہاں گئی؟ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اسے پہن کر جنگوں میں شرکت کیا کرتی تھیں؟ یا انہوں نے زرہ لے کر پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی تھی؟ یا کسی اور موقع پر اسے بیچ کر اپنی کوئی ضرورت پوری کر لی تھی؟ یا یہ تاریخ کے اوراق ہی میں گم ہو کر رہ گئی......؟

ان سوالات کا جب کوئی معقول جواب نہیں ہے تو پھر مذکورہ بالا روایت ہی کی بنیاد پر آخر یہ تسلیم کیوں نہیں کر لیا جاتا کہ اسی زرہ کی قیمت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "سامان جہیز" تیار کیا تھا۔ اس روایت کو اگر آپ صحیح تسلیم نہیں کرتے تو پھر بھی محض تاریخی روایت کے اعتبار سے تو اسے ضرور تسلیم کیا جا سکتا ہے بلکہ دیگر تاریخی واقعات سے متعلقہ روایات جن کی اسناد ہی نہیں ہوتیں، ان کے مقابلہ میں تو اسے بالاولیٰ تسلیم کیا جانا چاہیے کیونکہ اس کی تو کئی ایک اسناد بھی موجود ہیں!!

پھر تاریخی روایات کے جانچ پڑتال کے جو اصول ہیں، ان کی رو سے بھی اگر دیکھا جائے تو یہ روایت قابل اعتبار معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ اسے قبول کرنے میں نہ کسی قرآنی حکم کی تردید لازم آتی ہے، نہ کسی متفق علیہ مسئلہ کی تکذیب ہوتی ہے اور نہ ہی یہ اسلام کے کسی مجموعی ضابطہ کے منافی ہے بلکہ اسے اگر تاریخی حیثیت ہی سے تسلیم کر لیا جائے تو جہیز اور نان و نفقہ وغیرہ سے متعلقہ اسلام کے مجموعی ضابطے ہی کی اس سے تائید ہوتی ہے اور بہت سے اعتراضات اور سوالات بھی اس سے رفع ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خود محدثین نے بھی بہت سے راویوں کو حدیث میں تو ضعیف قرار دیا ہے مگر تاریخ میں قابل قبول اور لائق حجت قرار دیا ہے مثلاً تاریخی واقعات بیان کرنے والے ایک اہم راوی سیف بن عمر (عمرو) کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ صریح الفاظ میں یہ بات کہتے ہیں کہ

ضعيف فى الحديث عمدة فى التاريخ [تقريب ص ١٤٢]

''یعنی حدیث میں تو یہ ضعیف ہے مگر تاریخ میں عمدہ ہے''۔

اسی طرح احمد بن عبدالجبار بن محمد العطاردی نامی راوی کے بارے میں ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ

ضعيف و سماعه للسيرة صحيح [تقريب ص ١٤]

''یعنی یہ راوی ہے تو ضعیف مگر سیرت میں اس کا سماع صحیح ہے''

حتی کہ معروف تاریخ نگار راوی ''واقدی'' جسے محدثین نے حدیث میں بالاتفاق ضعیف قرار دیا ہے، مگر تاریخ وسیر میں اس کی روایات لینے پر سبھی مجبور ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ سمیت دیگر علماء واقدی، سیف بن عمر اور ایسے ہی بعض دیگر راویوں کی تاریخی روایات بلا تنقید اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں اور ان کی صرف انہی روایات پر تنقید کرتے ہیں جو مسلّمہ حقائق اور قرآن وسنت کی مجموعی تعلیمات کے منافی ثابت ہوں۔

اس موضوع پر جتنی بھی بحث کر لی جائے اس کا حاصل یہی نکلے گا کہ تاریخی روایات میں وہ سختی نہیں ہے جو عقائد واحکام وغیرہ سے متعلقہ احادیث میں ہے۔ اس لیے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس زرہ کے بارے میں ایک روایت ہمیں کچھ تاریخی معلومات فراہم کر رہی ہے اور وہ کسی مسلّمہ ضابطہ کے منافی بھی نہیں ہے تو اسے تاریخی اعتبار سے لازماً قابل اعتنا سمجھا جائے گا۔ پھر شیعہ مکتب فکر جو خود کو اہل بیت کا وارث قرار دیتا ہے، اس تاریخی حقیقت کو ہمیشہ سے تسلیم کرتا آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ ہی سے آنحضرت نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سامان تیار کیا تھا۔

ایک اور قابل توجہ پہلو:

ایک اور پہلو مضمون نگار کی نظر سے اوجھل رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر زرہ بیچ کر سامان خریدنے والی روایت کو ضعیف اور نا قابل استدلال قرار دے کر خارج از بحث کر دیا جائے اور اس کی تاریخی حیثیت کے حوالے سے بھی اسے لائق اعتنا نہ سمجھا جائے تو پھر بھی چند وجوہات ایسی ہیں جن کے پیش نظر یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ بیٹی کو جہیز دینا سنت ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

۱)...... اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز، حق مہر کی زرہ کی بجائے اپنی جیب سے دیا تھا تو پھر اس کی وجہ یہ ہو گی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی کفالت میں رہے تھے جس طرح آپ مکہ مکرمہ میں ان کے والد ابو طالب کی کفالت میں رہے تھے اور پھر آپؐ نے مدینہ میں آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو دینی بھائی بنالیا تھا[دیکھئے: فتح الباری ج۱۵ ص ۱۳۱ مجمع الزوائد ج۹ص ۲۱۰ وغیرہ] اس لیے ان کی شادی جیسے اہم کام کی ذمہ داری بھی آپؐ ہی پر عائد ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے شادی کا وہ ساز و سامان جو دولہا اپنی دلہن کے لیے تیار کرتا ہے، اپنی طرف سے مہیا کر دیا۔ گویا یہ ساز و سامان آنحضرت ﷺ نے محض اپنی بیٹی ہی کو باپ کی حیثیت سے نہیں دیا تھا بلکہ علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا دونوں کے ذمہ دار اور سرپرست ہونے کی وجہ سے دونوں کو دیا تھا۔ اس کی تائید درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتٰی عَلِیًّا وَ فَاطِمَةَ وَهُمَا فِیْ خَمِیْلٍ لَهُمَا وَالْخَمِیْلُ: الْقَطِیْفَةُ الْبَیْضَاءُ مِنَ الصُّوْفِ، قَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَهَّزَهُمَا بِهِمَا وَوِسَادَةٍ مَحْشُوَّةٍ إِذْخِرًا وَقِرْبَةٍ)) [صحیح ابن ماجه: ۳۳٤۹]

اس روایت کے یہ الفاظ "جھــزھمـــا" صراحت کے ساتھ بتا رہے ہیں کہ یہ جہیز کا سامان علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا دونوں کو دیا گیا نہ کہ اکیلی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو، کیونکہ اس میں ھما تثنیہ کی ضمیر ہے۔ لیکن اگر مضمون نگار کو یہی اصرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت باپ اپنی بیٹی کو یہ سامان دیا تھا تو پھر اس سے لامحالہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپؐ دوسروں کو تو ہمیشہ یہ تلقین کرتے رہے کہ ''اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو'' [مسلم، ۱۶۲۳] اور خود معاذ اللہ اس سے کنارہ کش رہے کہ ایک بیٹی کو تو جہیز دے دیا اور باقی تینوں بیٹیوں کو اس سے محروم رکھا۔ آخر کیوں؟ اگر ایک بیٹی کو جہیز دینا آپ کی سنت تھی تو پھر باقی بیٹیوں کو بھی اسی طرح جہیز دے کر آپ نے اس سنت پر عمل کیوں نہ کیا؟ کیا یہ سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کے لیے مخصوص تھی؟ یا اس کا سبب کچھ اور تھا؟

۲)...... حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر کفالت تو تھے ہی، باقی بے شمار روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاشی لحاظ سے بھی خاصا تنگ تھے۔ اس لیے ان کے قریبی لوگوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ ان کی اعانت کریں۔ چنانچہ مہر کا انتظام تو انہوں نے خود ہی کر لیا، برات کی ویسے ہی ضرورت نہ پڑی، ولیمے کا بندوبست کچھ انصاری صحابہ نے کر دیا [دیکھیے: آداب الزفاف از شیخ البانی ص ۱۰۱] جب کہ رہائش کا بندوبست حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے فرما دیا، اس لیے کہ ان کے پاس دو گھر تھے جن میں سے ایک انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے خالی کر دیا۔ [دیکھئے: طبقات ابن سعد ۸/ ۲۲، الاصابہ ۸/ ۲٦٤]

باقی رہ جاتا تھا گھر کا بنیادی سامان تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہیا فرما دیا۔ گویا یہ سب کچھ ''اعانت'' اور ''تعاون'' کی صورتیں تھیں جو ایسے ناگزیر حالات میں مباح کے درجہ سے استحباب بلکہ فرض کفایہ کے درجہ میں بھی پہنچ جاتی ہیں۔ لیکن ان پر نہ تو عام حالات کو قیاس کیا جا سکتا ہے اور نہ ایسی کسی استثنائی صورت کے پیش نظر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ

والدین کی طرف سے بیٹی کو جہیز دینا ''سنت'' ہو گیا ہے بلکہ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرد اگر محتاج ہو تو اس کے سسرال سمیت دیگر اعزہ و اقارب پر حسب توفیق اس کی ''اعانت'' فرض ہو جاتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غربت کا مسئلہ اور روایات مکذوبہ کا طعنہ!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غربت ومحتاجی کی منظر کشی کے لیے میں نے دو روایات بطور مثال پیش کی تھیں، ان میں سے ایک روایت کے بارے میں تو مضمون نگار نے سکوت سے کام لیا ہے اور دوسری روایت پر خوب 'جرح' فرمائی ہے۔ لیکن مجھے ان کی اس غیر ضروری جرح کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا، وہ اسے ضعیف ثابت کر کے یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غریب نہیں تھے (جیسا کہ بادیٔ النظر میں معلوم ہوتا ہے) یا وہ اس سے اپنی علمیت کا اِظہار چاہتے ہیں؟!

میرا دعویٰ یہ تھا کہ شادی کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ غریب اور محتاج تھے، اگر مضمون نگار یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شادی کے وقت بعض دیگر صحابہ مثلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی طرح مال دار تھے تو اس کی دلیل اُن کے ذمے تھی جو انہوں نے پیش نہیں کی جب کہ اپنے مذکورہ دعوے کے دلائل میں پیش کیے دیتا ہوں:

❶ میں اپنے مضمون میں اس کی ایک دلیل پہلے بھی پیش کر چکا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وفاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی غلام (خادم) وغیرہ نہیں تھا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ کے پاس جو قیدی آئے ہیں ان میں سے ہمیں بھی کوئی خادم عطا کر دیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے ان کا مطالبہ پورا نہ فرمایا کہ ''میں اصحاب صفہ کو چھوڑ کر تمہیں خادم کیسے دے سکتا ہوں!''

اس حدیث کی صحت کم اَز کم مضمون نگار بھی تسلیم کر چکے ہیں۔

❷ زیر بحث مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مہر کے مطالبے کی روایات میں نے اور مضمون نگار نے بھی نقل کی ہیں، ان روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''تمہارے پاس مہر دینے کے لیے کوئی چیز ہے؟'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''مَا عِنْدِیْ مِنْ شَیْءٍ'' [سنن نسائی: ۳۳۷۷] ''میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

اگر مضمون نگار یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت نہایت مال دار تھے تو پھر انہیں یہ الفاظ کہنے کی آخر کیا ضرورت تھی؟!

❸ صحیح بخاری کی درج ذیل روایت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غربت کو بیان کرتی ہے۔

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے مجھے ایک اونٹنی ملی تھی۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خُمُس کے مال میں سے بھی ایک اونٹنی مجھے عطا کی تھی۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے میری شادی کا پروگرام تشکیل پا گیا تو میں نے بنو قینقاع قبیلے کے ایک یہودی سنارے سے طے کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے تاکہ ہم (جنگل سے) 'اذخر' (گھاس کی ایک خاص قسم جو اس دور میں ساروں کے کام آتی تھی) لے کر آئیں۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ میں یہ گھاس ساروں کو بیچ کر اپنے ولیمے کے لیے معاوضہ (نقدی) حاصل کروں گا۔ میں نے اسی خیال سے اپنی اونٹنی کے لیے پالان اور رسیاں حاصل کیں جب کہ وہ اونٹنیاں ایک انصاری کے گھر کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب میں سامان وغیرہ جمع کر کے اپنی اونٹنیوں کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ کسی نے ان اونٹنیوں کے کوہان کاٹ ڈالے ہیں اور پیٹ چیر کر جگر نکال لیے گئے ہیں۔ میں نے جب یہ منظر دیکھا تو بے اختیار رو دیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ حمزہ بن عبدالمطلب نے...... (شراب اس وقت حرام نہیں ہوئی تھی اور حمزہ رضی اللہ عنہ سے حالت نشہ میں غیر ارادی طور پر یہ کام سرزد ہوا تھا)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے واپس ہوا اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اس وقت آپ کے پاس زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے، آنحضرت ﷺ نے میرا چہرہ دیکھ کر پہچان لیا کہ میں سخت رنجیدہ ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: خیریت تو ہے؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! آج کی سی مصیبت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ حمزہ نے میری اونٹنیوں پر ستم ڈھایا، ان کے کوہان کاٹ ڈالے اوران کی کوکھیں پھاڑ ڈالیں......''

[صحیح بخاری(ح ۳۰۹۱)]

اس حدیث سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غربت کا صاف اندازہ ہو رہا ہے کہ کس طرح شادی کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے وہ تگ ودو کر رہے ہیں بلکہ جو دو اونٹنیاں تھیں وہ بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حالت نشہ میں مار ڈالیں اور ولیمے کا جو پروگرام حضرت علی رضی اللہ عنہ تشکیل دے رہے تھے، وہ دھرے کا دھرا رہ گیا اور ان کے پاس چونکہ اس کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا کہ وہ ولیمے کا اہتمام کر سکتے چنانچہ کچھ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے مل کر ان کے ولیمے کا بندوبست فرما دیا۔[دیکھئے: ابن سعد (۸/ ۲۰) آداب الزفاف (ص ۱۰۲) شیخ البانی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے]

❹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ذاتی رہائش نہیں تھی۔ شادی سے پہلے آپ اہل صفہ کے ساتھ مسجد میں رہا کرتے تھے مگر شادی کے بعد حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک گھر خالی کر کے بطور اعانت ان کے سپرد کر دیا۔[ابن سعد (۸/ ۲۲) الاصابہ (۸/ ۲٦٤)]

دیگر روایات کی طرح یہ روایت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غربت کی وضاحت کرتی ہے۔ مگر مضمون نگار نے اس روایت پر خوب جرح فرمائی ہے اور اسے معروف تاریخ نگار 'واقدی' کی وجہ سے 'جھوٹی روایت' قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں دو باتیں یاد رہیں:

ایک تو یہ کہ اگر اس روایت کو ضعیف قرار دے کر خارج از بحث بھی کر دیا جائے تب بھی

نفس مسئلہ کی حیثیت پر رائی برابر بھی فرق نہیں پڑتا کیونکہ میرا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غریب تھے اور اس کے ثبوت میں اس روایت کے علاوہ بھی بے شمار صحیح احادیث موجود ہیں جن میں سے چند ایک پیچھے گزر چکی ہیں۔ لہٰذا اگر یہ روایت صحیح نہیں تو پھر بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جس غربت کی نشان دہی اس روایت سے ہوتی ہے اس کی نشان دہی دیگر صحیح روایات سے بھی تو ہو رہی ہے! پھر یہ بھی یاد رہے کہ جہیز کی شرعی حیثیت (مباح یا مستحب وسنت) سے اس روایت کا کوئی تعلق نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں نے اس روایت کو ایک تاریخی حیثیت سے پیش کیا ہے اس سے کسی مسئلہ کی حلت وحرمت یا عقیدے کا کوئی مسئلہ اخذ نہیں کیا کیونکہ یہ بحث کہ شادی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہاں رہائش اختیار کی؟ ایک تاریخی بحث ہے حلت وحرمت یا دیگر شرعی احکام کی بحث نہیں ہے اور تاریخی واقعات میں واقدی ہی کی روایات کو چند شرائط کے ساتھ ابن کثیر، ابن حجر، طبری وغیرہ سبھی علمائے اہل السنہ نے قبول کیا ہے۔ اگر بالفرض مضمون نگار اس تاریخی معاملے کی وضاحت کرنے والی اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر وہ خود ہی بتا دیں کہ شادی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجد ہی میں رہائش برقرار رکھی یا کسی گھر میں؟ مسجد میں رہائش اختیار کرنا اب ان کے لئے ممکن ہی نہ تھا اس لیے لامحالہ کسی گھر ہی میں انہوں نے رہائش اختیار کی ہوگی۔ پھر اس گھر کی تنقید نگار خود ہی وضاحت فرما دیں کہ وہ مدینہ میں کس جگہ، یا کس صحابی کی طرف سے عطا کردہ یا خرید کردہ تھا؟

تیسری دلیل کا تجزیہ:

مضمون نگار نے جہیز کو سنت ثابت کرنے کے لیے تیسری دلیل کے طور پر وہ حدیث پیش کی ہے جس میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی دختر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی شادی کے موقع پر ایک ہار تحفۃً عنایت کیا تھا۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد مضمون نگار نے لکھا ہے کہ

''اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ بوقت نکاح بیٹی کو حسب استطاعت جہیز دیا جا سکتا ہے۔'' [الاعتصام: ج۵۶ ش۱۷ ص۱۱]

حالانکہ اس حدیث میں جہیز کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ اس میں صرف ایک ہار تحفہ کے طور پر دینے کا تذکرہ ہے اور تحفہ دینا بلاشبہ جائز بلکہ مستحب کی قبیل سے ہے اس لیے کہ اس کے بارے میں امر استحبابی اور فضیلت کے الفاظ احادیث میں وارد ہوئے ہیں جب کہ جہیز اور بالخصوص مروجہ رسم جہیز کو تو اس پر ہرگز قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تفصیلات چونکہ ''پہلے نکتہ پر بحث'' کے ضمن میں گزر چکی ہیں، اس لیے اعادے کی ضرورت نہیں۔

خلاصہ بحث

. گزشتہ مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شادی کے موقع پر والدین کا اپنی بچی کو جہیز دینا سنت رسول ہرگز نہیں ہے۔ اور وہ روایات جن میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سامان جہیز مہیا کیا تھا، تو وہ سامان خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطور مہر دی جانے والی زرہ کی قیمت سے بنایا گیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اسے اگر تسلیم نہ کیا جائے تو پھر بھی زیادہ سے زیادہ جہیز کا مباح ہونا ہی از روئے شریعت ثابت ہوتا ہے۔ اور مباح اور سنت میں جو فرق ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

باب......[4]

مروجہ جہیز کے بارے میں علماء کے فتاویٰ

اس باب میں جہیز کی شرعی حیثیت کے حوالے سے چند ممتاز علمائے کرام کی آراء و فتاویٰ پیش کیے گئے ہے جن کے مطالعہ کے بعد امید ہے کہ جہیز کی شرعی حیثیت کے حوالے سے کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا۔ اس کے علاوہ اس باب میں مروجہ جہیز کے نقصانات کے ازالہ وتدارك کے حوالے سے بھی کچھ اچھی تجاویز زیر بحث آگئی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ...

[مصنف]

مروجہ رسم جھیز خلافِ شرع ھے......!

شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ شارح 'مشکوٰۃ المصابیح'

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، اس مسئلہ کے جواب میں کہ شادی سے قبل دولہا کی جانب سے دلہن کے سرپرستوں سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ ہماری مانگ کی ادائیگی پر آپ کی لڑکی سے ہم اپنے لڑکے کی شادی کر سکتے ہیں ورنہ رشتہ ہمیں منظور نہیں؟ اس مطالبہ کا نام کہیں تحفہ ہے، کہیں جوڑ، کہیں تلک، کہیں کنٹم، کہیں ڈمانڈ کہیں سلامی، بہرحال مرض ایک ہی ہے، نام مختلف۔ کہیں اس کے برعکس بھی ہوا کرتا ہے، یعنی لڑکی کے سرپرستوں کی جانب سے لڑکے کے سرپرستوں کو یہ لالچ دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کے لڑکے کے ساتھ ہماری لڑکی کا نکاح ہوجائے تو ہم بخوشی اپنی جانب سے فلاں فلاں چیز بطور تحفہ دیں گے، کیا اس قسم کے مطالبات اور پیش قدمی کرنا شریعت محمدیؐ میں روا ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو از روئے کتاب اللہ وحدیث رسول ﷺ اور افعال صحابہ رضی اللہ عنہم ثبوت دیں۔ اگر مذکورہ تینوں مقامات پر کوئی ثبوت نہ ہو تو ایسی صورت میں خلاف ورزی کرنے والوں پر کیا وعید ہے؟ مطلع فرمادیں تاکہ عوام کے دلوں میں خوف خدا پیدا ہو اور وہ ہر قسم کی گمراہی سے حتی الوسع بچ سکیں۔''

[**سائل: خالد العربی**]

جواب : شادی سے قبل رشتہ کی بات چیت کے وقت لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کے سرپرستوں سے کسی بھی چیز کا مطالبہ کرنا اور رشتہ کی منظوری یا نامنظوری کو اس پر معلق اور موقوف کرنا اور یہ کہنا کہ ہماری یہ مانگیں پوری کردی جائیں تو تب ہمیں یہ رشتہ منظور ہوگا اور ہم اپنے لڑکے کی شادی کریں گے اور اگر یہ ہماری مانگیں پوری نہیں کی گئیں تو ہم شادی نہیں کریں گے۔ لڑکے والوں کی طرف سے یہ مانگنا اور مطالبہ کرنا اور ان کی ادائیگی کی شرط خواہ وہ مانگ نقد کی ہو یا مختلف سامانوں کی یا جائیداد غیر منقولہ (مکان یا زمین) کی ہو بہرحال اس قسم کا مطالبہ اور اس کی ادائیگی پر شادی کو معلق اور موقوف کرنا عقلاً اور شرعاً ناجائز ہے اور اس قسم کی شرطیں لگانے والے شرعاً گنہگار ہیں۔

لڑکی والوں کی طرف سے رشتہ کی بات چیت کے وقت پیش قدمی کرتے ہوئے لڑکے والوں سے یہ کہنا کہ اگر یہ رشتہ آپ منظور کرلیں اور اپنے لڑکے سے ہماری لڑکی کی شادی کردیں تو ہم جہیز میں نقد اور فلاں فلاں ازقسم ہائے اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دیں گے، ان کا یہ وعدہ کرنا بھی شرعاً غلط اور غیر صحیح ہے لیکن اس بنا پر کہ ان کو اپنی لڑکی کے رشتہ کی ضرورت اور طلب ہے اور عام طور پر لڑکے بغیر اس کے رشتہ منظور نہیں کرتے اور لڑکیوں کی شادی مشکل سے ہوتی ہے، بنابریں وہ ترغیباً اور تحریصاً مختلف وجوہ سے جہیز کا وعدہ کرتے ہیں، اس مجبوری کی وجہ سے ان کا جرم فی الجملہ ہلکا ہوجاتا ہے، لیکن لینے اور دینے کی یہ رسم چاہے اس کا جو بھی نام رکھ دیا جائے شرعاً ناجائز اور رواجب الترک ہے۔ آئندہ سطور میں اس کے ناجائز ہونے کی وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔

پھلی وجه : ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور آپؐ کے بعد صحابہ کرام کا اسوہ حسنہ عملی نمونہ ہے جس کی پیروی اور اتباع واقتدا سب کے لیے ضروری ہے۔ پس ہمیں پیدائش، ختنہ، عقیقہ، منگنی اور شادی وغیرہ کی تقریب اور زندگی کے تمام امور میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے اور ان

تقاریب کو اسی طرح انجام دینا چاہیے جس طرح آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے انجام دیا ہے۔ عہد نبویؐ اور عہد صحابہ میں سوال ذکر کیے گئے مطالبات یا پیش قدمی کا وجود بالکل نہیں تھا، غرض یہ کہ شریعت میں اس رسم کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔

دوسری وجہ: ہر مسلمان کے لیے شریعت مطہرہ میں شادی کے موقع پر رشتہ طے کرنے کے وقت یا شادی کے بعد لڑکی والوں پر کسی قسم کا خرچ اور بوجھ نہیں رکھا گیا ہے بلکہ سارا بوجھ لڑکی کا لڑکے پر رکھا گیا ہے اسی بنا پر شوہر کو قوام کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ [النسآء ـ ٣٤]

”مرد عورتوں پر نگران ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔“

پس لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کے سرپرستوں سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا شریعت کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔

تیسری وجہ: ہندوؤں وغیرہ میں لڑکیوں کو والدین سے میراث نہیں ملتی خواہ اس وجہ سے کہ ان کے مذہب میں یہ چیز ہے ہی نہیں یا اس وجہ سے کہ ان کے یہاں لڑکیوں کو میراث نہ دینے کا رواج اور دستور ہو گیا ہے۔ اس لیے لڑکے والے چاہتے ہیں کہ جیسے بھی ہو اور جس شکل میں بھی ہو، لڑکی والوں سے زیادہ سے زیادہ مال و متاع حاصل کیا جائے۔ اس لیے وہ شادی کے موقع پر مذکورہ مطالبہ اور مانگ کرتے ہیں اور لڑکی والے ان کے مطالبہ کو پورا کرتے ہیں۔ انہی کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی اکثر جگہوں میں اپنی لڑکیوں کو میراث سے محروم رکھتے ہیں اور عام طور پر مسلمانوں میں شادی کے موقع پر لڑکی والوں سے جہیز وغیرہ کا مطالبہ کرتے ہیں جو ایک خاصا رواج ہو گیا ہے۔

پہلی بات یعنی لڑکیوں کو میراث سے محروم رکھنا اسلامی قانون کے خلاف ہے اور

غیر مسلموں کی پیروی ہے اور دوسری بات یعنی جہیز کا جبری مطالبہ یا اس کی پیش کش بے اصل ہونے کے ساتھ غیر مسلموں کی نقالی ہے بنا بریں یہ واجب الترک ہے۔

چوتھی وجہ: لڑکے والوں کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لیے بسا اوقات لڑکی والوں کو سودی قرض لینا پڑتا ہے یا زمین گروی رکھنی پڑتی ہے۔ اگر کسی کی کئی لڑکیاں ہوں تو اس کو ہر مرتبہ یہی کچھ کرنا پڑتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کو ہمیشہ مالی پریشانی، نیز معاشی اور اقتصادی تباہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی اس تباہی اور پریشانی کا سبب یہی مطالبہ اور پیش کش ہوتی ہے۔

پانچویں وجہ: جہیز وغیرہ مہیا کرنے میں بالعموم اسراف وتبذیر (فضول خرچی) پایا جاتا ہے اور اسراف وتبذیر شرعاً ممنوع ہے۔

چھٹی وجہ: جہیز وغیرہ کے معاملہ میں عام طور پر ریا اور نام ونمود وفخر مباہات اور شہرت طلبی ونمائش ہوتی ہے اور یہ سب چیزیں شرعاً ممنوع ہیں۔

ساتویں وجہ: لڑکی والے لڑکے والوں کا مطالبہ با دلِ نخواستہ جبراً اور قہراً پورا کرتے ہیں، ان کا دل شاید ہی اس پر راضی ہوتا ہو اور کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی خوشی اور دلی رضامندی کے دوسرے کے لیے حلال نہیں ہے،

((لایحل مال امرئ مسلم الابطیب نفسه))(الحدیث)

”کسی مسلمان آدمی کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کی دلی خوشی سے“

آٹھویں وجہ: جہیز میں بسا اوقات بے ضرورت کی چیزیں دی جاتی ہیں اور یہ مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ بے ضرورت اور فضول چیزوں میں اپنا پیسہ خرچ کرے۔

نویں وجہ: مرد کی مردانگی اور غیرت اور قوامیت کے بالکل خلاف ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اس کے سرپرستوں کے مال کی طرف تاکے اور اس پر بھروسہ کرے اور اپنی تعلیم وغیرہ یا کسی بھی ضرورت میں اپنی ہونے والی بیوی اور اس کے سرپرستوں کا زیر بار، احسان مند اور ممنون کرم ہو۔

دسویں وجہ: جو لڑکی والے مالدار اور پیسے والے ہوتے ہیں وہ تو لڑکے والوں کے مطالبات کسی طرح پورا کر لیتے ہیں یا جہیز کی مروجہ ملعون رسم پوری کر لیتے ہیں لیکن جو لوگ کم حیثیت یا غریب ہوتے ہیں اور ان کی ایک یا ایک سے زیادہ لڑکیاں ہوتی ہیں، ان کے لیے لڑکے والوں کا مطالبہ پورا کرنا یا جہیز کی رسم پوری کرنا سخت مشکل ہوتا ہے اور لڑکی ان کے لیے ایک عذاب اور مصیبت بن جاتی ہے۔ عدم استطاعت کی بنا پر کہیں رشتہ طے نہیں ہوتا جس کا نتیجہ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکی معاشرہ کی خرابی کی وجہ سے غلط کاری میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد جو بھیانک نقشہ پیش آتا ہے اس کو زبان و قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ لڑکی کے ولی اور سرپرست اور ذمہ دار نے لڑکی کے رشتہ سے مایوس ہو کر اور اس کی وجہ سے پریشانی اور رنج و غم کے غلبہ کے باعث خودکشی کر لی ہے۔

گیارھویں وجہ: جو چیز شرعاً لازم نہ ہو بلکہ محض مباح یا مستحب ہو اس کو اعتقاداً اور عملاً یا صرف عملاً اپنے اوپر لازم کر لینا اور اس کو پابندی کے ساتھ انجام دینا اور کبھی اس کے خلاف نہ کرنا شرعاً جائز نہیں بلکہ یک گونہ شیطان کا اتباع کرنا ہے اور اگر وہ کام مباح کے درجہ میں نہ ہو اور اس میں طرح طرح کے مفاسد ہوں تو اس کا التزام بلاشبہ شیطانی کام ہے۔ بنا بریں لڑکے والوں کی طرف سے شادی کے وقت مذکورہ مطالبہ یا لڑکی والوں کی طرف سے پیش قدمی اور جہیز کا وعدہ اور اس کی ادائیگی اور جہیز کی رسم پوری کرنے کا التزام بلاشبہ التزام مالایلزم (غیر ضروری کو ضروری کر لینے) کا مصداق ہونے کی وجہ سے شیطان کی اتباع ہے۔

بارھویں وجہ: آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سرپرست اور ولی ہونے کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی سرپرست اور ولی تھے اور ہر ولی اور سرپرست کے لیے ضروری ہے کہ وہ لڑکے کی شادی کے ساتھ اس کے لیے گھر اور ضروری گھریلو سامان کا

انتظام کرے جبکہ اس کے لئے لڑکے کو اپنے ساتھ رکھنے کی گنجائش نہ ہو۔ بنابریں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چند گھریلو سامان (چمڑے کا گدا، ایک چکی، چادر اور پانی کا گھڑا) دیا تھا اور ان دونوں کے رہنے سہنے کے لیے گھر کا انتظام کسی طرح کیا تھا، لیکن یہ جہیز کی مروجہ رسم کے طور پر ہرگز نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ولی اور سرپرست تھے اور ان کا گھر بسانے کی صورت میں مکان اور مذکورہ چیزوں کا مہیا کرنا بحیثیت ولی کے آپ کے ذمہ آتا تھا جیسا کہ ہر باپ اپنے لڑکے کے لیے اس قسم کا انتظام کیا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت حال کو جہیز کی مروجہ رسم سے کوئی ادنی سی بھی مناسبت نہیں ہے۔ پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر آپ کی طرف سے دونوں کو جو کچھ دیا گیا اس کو جہیز کی مروجہ ملعون رسم کے ثبوت میں پیش کرنا بالکل غلط اور نادرست ہے۔

تیرھویں وجہ: لڑکی والوں کی طرف سے پیش کش اور وعدہ کرنے کی صورت میں لڑکے والے ان کے وعدہ پر اعتماد کر کے رشتہ منظور کر لیتے ہیں اور شادی ہو جاتی ہے تو اس کے بعد ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکی والوں کی نیت بدل جاتی ہے اور وہ قصداً باوجود استطاعت کے، وعدہ پورا نہیں کرتے یا بوجہ عدم استطاعت وعدہ پورا نہیں کر پاتے جس کے نتیجہ میں فریقین کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور باہمی کشمکش پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے لڑکی کی زندگی خراب اور اجیرن ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اس قسم کی پیش کش اور اس پر اعتماد کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

رسم جهیز اور هندو: شادی کی نسبت کے وقت لڑکے والوں کی طرف سے ہونے والا مطالبہ یا لڑکی والوں کی طرف سے پیش کش اور وعدہ اور مروجہ جہیز کا لین دین، یہ ایسی سماجی برائی اور معاشرہ کی خرابی ہے کہ اس پر پابندی عائد کرنے کے لیے ہندوستان کی مختلف ریاستیں بہار، اڑیسہ، مغربی بنگال، ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش وغیرہ بہت

پہلے قانون بنا چکی ہیں اور مرکزی حکومت نے بھی ایک مبسوط اور جامع قانون بنانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے باوجود یہ سماجی برائی کم نہیں ہو رہی بلکہ ہندوستان کے تقریباً تمام فرقوں میں بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اس قسم کی برائیاں محض قانون بنا لینے سے ختم نہیں ہو سکتیں جب تک کہ قانون پر عمل کرنے میں سختی سے کام نہ لیا جائے اور قانون پر عمل کرانے والے دیانتدار اور مخلص نہ ہوں۔

رسم جھیز کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟ ہمارے نزدیک مسلمانوں سے جہیز کی لین دین کی لعنت ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور دوسری غیر شرعی رسم، اس کو دور کرنے کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ علماء اپنے وعظ و تقاریر و خطباتِ جمعہ و عیدین میں ان رسوم کی مخالفت کے ساتھ خود اپنے گھروں اور خاندانوں سے اسے دور کرنے میں پہل کریں اور ساتھ ہی ہر برادری کے سربراہان یعنی با اثر لوگ اور گاؤں کے سرداران اپنے گھروں اور علاقوں میں سے ان رسموں کو ختم کریں۔ ان کی دیکھا دیکھی ان شاء اللہ عوام بھی ایسا ہی کریں گے، اس لیے کہ چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کے تابع ہوتے ہیں اور اگر عوام ان فضول رسموں کو ترک کرنے میں ان کی اتباع نہ کریں تو پھر علما اور خواص ان کی ایسی تقاریب میں جہاں غیر شرعی رسمیں برتی جائیں شریک نہ ہوں۔ ان رسموں کے انسداد کا ایک اور ممکن طریقہ بھی ہے وہ یہ کہ علماء و مصلحین کچھ اصلاح پسند نوجوانوں کی ذہنی تربیت کریں اور ان کے ساتھ عوام پر ہر ممکن دباؤ ڈال کر پیدائش سے لے کر شادی تک کی تقاریب کی غلط رسموں کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور ان رسموں کے انسداد کے لیے کوئی چور دروازہ نہ چھوڑیں۔ [بشکریہ ماہنامہ "محدث" بنارس، ہند۔ (اپریل ۱۹۸۵ء)]

کیا بیٹی کی شادی کرنا جرم ہے جس کی سزا باپ کو جہیز کی شکل میں دی جاتی ہے؟!

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب (ر) جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان

چند سال پہلے شام کے ایک بزرگ شیخ عبدالفتاح ہمارے یہاں تشریف لائے تھے، اتفاق سے ایک مقامی دوست بھی اسی وقت آ گئے اور جب انہوں نے ایک عرب بزرگ کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ......

''میری دو بیٹیاں شادی کے لائق ہیں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی شادی کے اسباب پیدا فرما دے۔''

شیخ نے ان سے پوچھا کہ کیا ان کے لیے کوئی مناسب رشتہ نہیں مل رہا، اس پر انہوں نے جواب دیا کہ رشتہ تو دونوں کا ہو چکا ہے لیکن میرے پاس اتنے مالی وسائل نہیں ہیں کہ ان کی شادی کر سکوں شیخ نے یہ بات سن کر انتہائی حیرت سے پوچھا کہ لڑکیاں ہیں یا لڑکے؟ وہ کہنے لگے کہ لڑکیاں ہیں۔ شیخ نے سراپا تعجب بن کر کہا کہ لڑکیوں کی شادی کے لیے مالی وسائل کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرے پاس انہیں جہیز میں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ شیخ نے پوچھا جہیز کیا ہوتا ہے؟ اس پر حاضرین مجلس نے انہیں بتایا کہ ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ باپ شادی کے وقت اپنی بیٹی کو زیورات، کپڑے، گھر کا اثاثہ اور بہت سا ساز و سامان دیتا ہے، اسے جہیز کہتے ہیں اور جہیز دینا باپ کی ذمہ

داری سمجھی جاتی ہے، جس کے بغیر لڑکی کی شادی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور لڑکی کے سسرال والے بھی اس کا مطالبہ کرتے ہیں۔ شیخ نے یہ تفصیل سنی تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ کیا بیٹی کی شادی کرنا کوئی جرم ہے جس کی سزا باپ کو دی جاتی ہے؟

پھر انہوں نے بتایا کہ ہمارے ملک میں اس قسم کی کوئی رسم نہیں ہے۔ اکثر جگہوں پر تو یہ لڑکے کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ اپنے گھر میں دلہن کو لانے سے پہلے گھر کا اثاثہ اور دلہن کی ضروریات فراہم کر کے رکھے۔ لڑکی کے باپ کو کچھ نہیں خرچ کرنا پڑتا اور بعض جگہوں پر یہ رواج ہے کہ لڑکی کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے سامان تو باپ ہی خریدتا ہے لیکن اس کی قیمت لڑکا ادا کرتا ہے۔ البتہ باپ اپنی بیٹی کو رخصتی کے وقت کوئی مختصر تحفہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے لیکن وہ بھی کچھ ایسا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔

اس واقعہ سے کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں جہیز کو جس طرح بیٹی کی شادی کا ایک ناگزیر حصہ قرار دیا گیا ہے اس کے بارے میں عالم اسلام کے دوسرے علاقوں کا کیا نقطۂ نظر ہے، جیسا کہ شیخ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔

شرعی اعتبار سے جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے ہوئے اسے کوئی تحفہ دینا چاہے تو دے دے اور ظاہر ہے کہ تحفہ دیتے وقت لڑکی کی آئندہ ضروریات کو مدنظر رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے لیکن یہ شادی کے لیے کوئی لازمی شرط ہے نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں یا اگر کسی لڑکی کو جہیز نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو اس پر برا منائیں یا لڑکی کو مطعون کریں اور نہ یہ کوئی دکھاوے کی چیز ہے کہ شادی کے موقع پر اس کی نمائش کر کے اپنی شان کا اظہار کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہمارے معاشرے میں جو غلط تصورات پھیلے ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

[1] ...... جہیز کو لڑکی کی شادی کے لئے لازمی شرط سمجھا جاتا ہے، چنانچہ جب تک جہیز دینے کے لیے پیسے نہ ہوں لڑکی کی شادی نہیں کی جاتی۔ ہمارے معاشرے میں نہ جانے

کتنی لڑکیاں اسی وجہ سے بن بیاہی رہ جاتی ہیں کہ باپ کے پاس انہیں دینے کے لیے پیسہ نہیں ہوتا اور جب شادی سر پر آ ہی جائے تو جہیز کی شرط پوری کرنے کے لئے باپ کو بعض اوقات روپیہ حاصل کرنے کے لئے ناجائز ذرائع بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔اور اگر وہ رشوت، جعل سازی، دھوکہ، فریب اور خیانت جیسے جرائم کا ارتکاب نہ بھی کرے تو کم از کم اپنے آپ کو قرض (ادھار) کے شکنجے میں جکڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

[2]...... جہیز کی مقدار اور اس کے لیے لازمی اشیاء کی فہرست میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔اب جہیز محض ایک بیٹی کے لیے باپ کا تحفہ نہیں ہے جو وہ اپنی خوش دلی سے اپنی استطاعت کی حد میں رہ کر دے بلکہ معاشرے کا ایک جبر ہے، چنانچہ اس میں صرف بیٹی کی ضروریات ہی داخل نہیں بلکہ اس کے شوہر کی ضروریات پوری کرنا اور اس کے گھر کو مزین کرنا بھی ایک لازمی حصہ ہے۔خواہ لڑکی کے باپ کا دل چاہے یا نہ چاہے ،اسے یہ تمام لوازمات پورے کرنے پڑتے ہیں۔

[3]...... بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ لڑکی کی ضروریات پوری کر کے اس کا دل خوش کیا جائے بلکہ جہیز کی نمائش کی رسم نے یہ بھی ضروری قرار دے دیا ہے کہ جہیز ایسا ہو جو ہر دیکھنے والے کو خوش کر سکے اور ان کی تعریف حاصل کر سکے۔

[4]...... جہیز کے سلسلے میں سب سے گھٹیا بات یہ ہے کہ لڑکی کا شوہر یا اس کے سسرال کے لوگ جہیز پر نظر رکھتے ہیں ۔بعض جگہ تو شاندار جہیز کا مطالبہ پوری ڈھٹائی سے کیا جاتا ہے اور بعض جگہ اگر صریح مطالبہ نہ ہو تب بھی توقعات یہ باندھی جاتی ہیں کہ دلہن بہت سا جہیز لے کر آئے گی اور اگر یہ توقعات پوری نہ ہوں تو لڑکی کو طعنے دے دے کر اس کی ناک میں دم کر دیا جاتا ہے۔

جہیز کے ساتھ اس قسم کی جو رسمیں اور تصورات نتھی کر دیئے گئے ہیں اور ان کی وجہ سے جو معاشرتی خرابیاں جنم لے رہی ہیں ان کا احساس ہمارے پورے معاشرے کے اہل

فکر میں مفقود نہیں ۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا بھی گیا ہے، بعض تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں، بلکہ سرکاری سطح پر بعض قوانین بھی بنائے گئے ہیں اوران کوششوں کا یہ اثر بحمد اللہ ضرور ہوا ہے کہ اب جہیز کے بارے میں لوگوں کے تصورات میں تبدیلی آئی ہے۔ جہیز کی نمائش کا سلسلہ کم ہوا ہے، بین الممالک شادیوں میں جہیز کی پابندی حالات کے جبر نے ترک کرادی ہے لیکن ابھی تک معاشرے کے ایک بہت بڑے حصے میں ان غلط تصورات کی حکمرانی ختم نہیں ہوئی۔

بعض حضرات یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ جہیز کو قانونا بالکل ممنوع قرار دے دیا جائے لیکن یہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے اوراس قسم کے مسائل صرف قانون کی جکڑ بندیوں سے حل نہیں ہوتے اور نہ ایسے قوانین پر عمل کرانا ممکن ہوتا ہے۔ اس کے لیے تعلیم وتربیت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے ایک مناسب ذہنی فضاء تیار کرنی ضروری ہے۔ بذات خود اس بات میں کوئی شرعی یا اخلاقی خرابی بھی نہیں ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت دلی طور پر ایسی چیزوں کا تحفہ دے جو اس کے لیے آئندہ زندگی میں کارآمد ہوں، اگر دوسرے مقاصد نہ ہوں تو باپ دلی تقاضے کے تحت جو کچھ دینا چاہے دے سکتا ہے لیکن خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ اول تو اسے نمود ونمائش کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اورلڑکے والے عملاً اسے اپنا حق سمجھتے ہیں اورانتہائی گھٹیا بات یہ ہے کہ جہیز کی کمی کی وجہ سے لڑکے والے لڑکی اوراس کے گھر والوں کو مطعون کرتے ہیں۔

جہیز کی ان خرابیوں کو ختم کرنے کے لیے معاشرے کے تمام طبقات کو ان تصورات کے خلاف جہاد کرنا پڑے گا۔ تعلیم وتربیت، ذرائع ابلاغ اور وعظ ونصیحت کے ذریعے غلط تصورات کی قباحتیں، مختلف انداز اوراسلوب سے متواتر بیان کرنے اورکرتے رہنے کی ضرورت ہے یہاں تک کہ یہ گھٹیا باتیں ہرکس وناکس کی نظر میں ایک ایسا عیب بن جائیں جس کی اپنی طرف نسبت سے لوگ شرمائیں۔ کسی معاشرے میں پھیلے ہوئے غلط تصورات

یا بری عادات اسی طرح رفتہ رفتہ دور ہوتی ہیں کہ اس معاشرے کے اہل اقتدار، اہل علم و دانش اور دوسرے با اثر طبقے مل جل کر ایک ذہنی فضا تیار کرتے ہیں۔ یہ ذہنی فضا رفتہ رفتہ فروغ پاتی ہے اور لوگوں کی تربیت کرتی ہے لیکن اس کے لیے انتھک جدوجہد درکار ہے۔ افسوس کہ ہمارے ان طبقوں کے زیادہ تر افراد کچھ ایسے مسائل میں الجھ گئے ہیں کہ معاشرے کی اصلاح اور تربیت کا کام جو کسی بھی قوم کی تعمیر کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، کسی شمار قطار میں نہیں آتا۔ ذہنی تربیت اور کردار سازی کا کام سیاست اور فرقہ واریت کی فضاؤں میں ایسا گم ہوا ہے کہ اب اس کا نام ایک مذاق معلوم ہونے لگا ہے لیکن اس صورت حال میں مایوس ہو کر بیٹھ جانا بھی درست نہیں۔ ایک داعیِ حق کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی بات کہنے سے نہ اکتائے، اپنے دائرے کی حد تک کام کرنے سے نہ تھکے، بالآخر ایک وقت آتا ہے جب حق و صداقت کی کشش دوسروں کو بھی اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیتی ہے اور قوموں کی نہ صرف سوچ بلکہ عمل میں بھی انقلاب آجاتا ہے۔

جہیز وغیرہ سے متعلق ایٹن برسٹل (برطانیہ) سے ایک صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں:

میں آپ کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف دلانا چاہتا ہوں جس کی ابتداء کا زمانہ متعین کرنا تو ایک تاریخ دان کا کام ہے مگر اس کی برائی ہر شخص کے سامنے ہے، وہ ہے جہیز۔ جہیز کی رسم چونکہ ہندو پاک میں بسنے والے مسلمانوں میں اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ جاری ہے اس لئے جو مسلمان وہاں سے نقل مکانی کر کے مغرب میں آئے تو وہ یہ رسم بھی اپنے ساتھ لائے۔ چنانچہ اب یہ رسم مغرب میں بھی پھیل گئی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ

۞ ..... ایک تو آپ اس کی شرعی حیثیت بیان فرمائیں تاکہ یورپ میں مسلمانوں کی نئی نسل اس سے آگاہ ہو سکے اور شاید ان ہزاروں لڑکیوں کی قسمت پر بھی اس کا کچھ اثر پڑے جو صرف جہیز نہ ہونے کی بناء پر دلہن نہیں بن سکتیں۔

۞...... اور کیا جہیز ضروری ہے؟

۞...... کیا جہیز دینے کے بعد ماں باپ کو اپنی وراثت سے حصہ دینا ضروری نہیں رہتا؟

۞...... عموماً عورتیں اپنے حق وراثت سے اس لئے دستبردار ہو جاتی ہیں کہ ان کی شادی پر بھی خاصا خرچ ہو چکا ہوتا ہے مگر یہ ساری باتیں لڑکے پر بھی صادق آتی ہیں پھر وہ وراثت کا کیونکر حقدار ہوگا؟

۞...... لڑکی کے والدین بارات کو جو کھانا کھلاتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ عرب ممالک میں لڑکی کے والدین جو خرچ کرتے ہیں اس کی ادائیگی دولہا کرتا ہے مگر ہمارے یہاں یہ تمام اخراجات والدین پر ہی کیوں ڈالے جاتے ہیں؟

۞...... بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکی کا باپ دولہا سے شادی کے اخراجات کے علاوہ بھی کچھ رقم کا تقاضا کرتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بلاشبہ آپ کی کتابوں سے ان گنت لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں لیکن آپ نے مضامین کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ مختصر اور عام فہم ہونے کی وجہ سے زیادہ موثر ہے اور اگر آپ میرے مذکورہ سوالات کی وضاحت فرما دیں تو امید ہے کہ اس سے بہت سے لوگوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا۔ [عبدالمجید (ایٹن برسٹل برطانیہ)]

۞...... مکتوب نگار کے بعض سوالات کا جواب تو میرے پچھلے مضمون میں آ چکا ہے مثلاً یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جہیز ہرگز نکاح کا کوئی ضروری حصہ نہیں ہے اور اس کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں لڑکی کو نکاح کے بغیر بٹھائے رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنی استطاعت کی حدود میں رہتے ہوئے خوشی سے بیٹی کو کوئی تحفہ دینا چاہے تو بے شک دے سکتا ہے لیکن نہ اس کو نکاح کی لازمی شرط سمجھنے کی گنجائش ہے نہ اس میں نام و نمود کا کوئی پہلو ہونا چاہے اور نہ شوہر یا اس کے گھر والوں کے لیے جائز ہے کہ وہ جہیز کا مطالبہ کریں یا اس کی توقعات باندھیں۔

اب مکتوب نگار نے جونئی بات کی ہے کہ ''کیا جہیز دینے کے بعد ماں باپ کو اپنی وراثت سے حصہ دینا ضروری نہیں رہتا۔'' یہ غلط فہمی بعض حلقوں میں خاصی عام ہے۔اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ جہیز کا وراثت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔اگر کسی باپ نے اپنی بیٹی کو جہیز کی صورت میں اپنی ساری کائنات بھی لٹادی تو تب بھی لڑکی کا حق وراثت ختم نہیں ہوتا۔باپ کے انتقال کے بعد وہ اپنے باپ کے ترکے میں ضرور حصہ دار ہوگی اوراس کے بھائیوں کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ سارا ترکہ خود لے بیٹھیں اوراپنی بہن کواس بنیاد پر محروم کردیں کہ اسے جہیز میں سب کچھ مل چکا ہے۔

لڑکا ہو یا لڑکی ان کے باپ نے اپنی زندگی میں انہیں جو کچھ دیا اس سے ان کے وراثت کے حصے میں کوئی کمی نہیں آتی ۔البتہ باپ کو حتی الامکان اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اپنی زندگی میں وہ اپنی اولاد کو جو کچھ دے،وہ قریب قریب برابر ہواور کسی ایک لڑکے یا لڑکی پر دولت کی بارش برسا کر دوسروں پر ظلم نہ کرے۔بہرحال! یہ بات طے شدہ ہےاوراس میں شرعی اعتبار سے کوئی ادنی شبہ نہیں کہ لڑکی کو جہیز دینے سے اس کا حق وراثت ختم نہیں ہوتا بلکہ جہیز میں دی ہوئی مالیت کواس کے حصہ وراثت سے بھی الگ نہیں کیا جاسکتا۔اسے بہرصورت ترکے سے اپنا پورا حصہ ملنا ضروری ہے۔

۞...... مکتوب نگار نے دوسرا مسئلہ یہ اٹھایا ہے کہ لڑکی کے والدین بارات کو جو کھانا کھلاتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟اس معاملے میں بھی ہمارے معاشرے میں افراط وتفریط پرمبنی تصورات پھیلے ہوئے ہیں۔بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح لڑکے کے نکاح کے بعد ولیمہ کرنا سنت ہے اسی طرح لڑکی کے باپ کے لیے نکاح کے وقت دعوت کرنا سنت یاکم ازکم شرعی طور پر پسندیدہ ہے،حالانکہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ لڑکی والوں کی طرف سے کسی دعوت کا اہتمام نہ سنت ہے نہ مستحب۔

یہی معاملہ بارات کا ہے،نکاح کے وقت دولہا کی طرف سے بارات لے جانا کوئی سنت نہیں،نہ نکاح کو شریعت نے اس پر موقوف کیا ہے۔

کسی شخص کو کوئی ہدیہ اور تحفہ دینا یا اس کی دعوت کرنا اگر دل کے تقاضے اور محبت سے ہو تو صرف یہ کہ کوئی گناہ نہیں بلکہ باعث برکت ہے، بالخصوص جب نئے رشتے قائم ہو رہے ہوں تو ایسا کرنے سے باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے بشرطیکہ یہ سب کچھ خلوص سے ہو اور اپنی استطاعت کی حد میں رہ کر ہو لیکن جب یہ چیز نام و نمود اور دکھاوے کا ذریعہ بن جائے یا اس میں بدلے کی طلب شامل ہو جائے یا یہ کام خوش دلی کے بجائے معاشرے اور ماحول کے جبر کے تحت انجام دیئے جائیں یعنی اندر سے دل نہ چاہ رہا ہو لیکن ناک کٹنے کے خوف سے قیمتی تحائف دیئے جائیں یا دعوتیں کی جائیں تو پھر یہ کام جو باعث برکت ہو سکتے تھے الٹے گناہ، بے برکتی اور نحوست کا سبب بن جاتے ہیں اور ان کی وجہ سے معاشرہ طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہماری شامت اعمال یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو خود ساختہ رسموں میں جکڑ کر اچھے کاموں کو بھی اپنے لئے ایک عذاب بنا لیا ہے۔ اگر یہی کام سادگی، بے ساختگی اور بے تکلفی سے کئے جائیں تو ان میں کوئی خرابی نہیں، لیکن اگر رسموں کی پابندی نام و نمود اور معاشرتی جبر کے تحت انجام دیئے جائیں تو یہ بہت بڑی برائی ہے۔

✿ خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ نکاح میں اگر کوئی دعوت نہ کرے تو سسرال والوں کی طرف سے باقاعدہ مطالبہ ہوتا ہے اور یوں سمجھا جاتا ہے جیسے شادی ہوئی ہی نہیں۔ جن بزرگوں نے بارات لے جانے اور اس کی دعوت کے اہتمام سے روکا، درحقیقت ان کے پیش نظر یہی خرابیاں تھیں، انہوں نے اس بات کی ترغیب دی کہ کم از کم کچھ بارسوخ افراد ان دعوتوں کے بغیر نکاح کریں گے تو ان لوگوں کو حوصلہ ہوگا جو ان کی استطاعت نہیں رکھتے اور صرف معاشرے کی مجبوری سے انہیں یہ کام کرنے پڑتے ہیں۔

✿ مکتوب نگار نے آخری بات یہ پوچھی ہے کہ بعض علاقوں میں لڑکی کا باپ دولہا سے نکاح کے اخراجات کے علاوہ مزید کچھ رقم کا مطالبہ بھی کرتا ہے اور اس کے بغیر وہ

اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ بے شک یہ بے بنیاد رسم بھی ہمارے معاشرے کے بعض حصوں میں خاصی رائج ہے اور یہ شرعی اعتبار سے بالکل ناجائز رسم ہے۔ اپنی لڑکی کا رشتہ دینے کے لئے دولہا سے رقم لینے کو ہمارے فقہائے کرام نے رشوت قرار دیا ہے اور اس کا گناہ رشوت لینے والے کے گناہ کے برابر ہے بلکہ اس میں ایک پہلو بے غیرتی کا بھی ہے اور یہ عمل اپنی لڑکی کو فروخت کرنے کے مشابہ ہے اور بعض جگہ جہاں یہ رسم پائی جاتی ہے، اسی وجہ سے شوہر اس بیوی کے ساتھ زرخرید کنیز جیسا سلوک کرتا ہے لہذا یہ رسم شرعی و اخلاقی لحاظ سے انتہائی غلط رسم ہے جو واجب الترک ہے۔[بشکریہ پندرہ روزہ "خلافت اسلامیہ" اسلام آباد]

مروجہ جہیز کی شرعی حیثیت

از قلم: مفسر قرآن؛ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ

جہیز، کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد شادیاں کیں، لیکن آپ کی ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ جہیز لے کر نہیں آئی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں، آپ نے چاروں کی شادیاں کیں، لیکن آپ نے کسی کو بھی شادی کے موقع پر جہیز نہیں دیا۔ اسی طرح صحابہ کرام میں سے بھی کسی سے اس رواج کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے یہ خالص ہندوانہ رسم ہے، اس لیے کہ ہندو مذہب میں عورت وراثت کی حق دار نہیں ہے، باپ کی جائداد کی وارث صرف اولادِ نرینہ ہوتی ہے۔ اس بنا پر ہندو شادی کے موقع پر لڑکی کو گھریلو نوعیت کے سامان کی شکل میں اپنی جائداد میں سے کچھ حصہ دے دیتے ہیں۔

مسلمانوں نے بھی اس رواج کو اختیار کرلیا۔ اس کی وجہ سے وہ متعدد مشکلات کا شکار ہو گئے:

ایک تو جہیز کو لازمی تصور کرلیا گیا ہے حتی کہ اس کے لیے بھاری قرض بھی لینا پڑے تو لیتے ہیں اور پھر ساری عمر قرض کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔

ثانیا: ہندوؤں کی طرح پھر لڑکیوں کو بالعموم وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے، بھائی جہیز ہی کو وراثت کا بدل قرار دے کر بہنوں کو وراثت سے محرورم رکھنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔

اسی طرح اور بھی متعدد قباحتیں ہیں جو جہیز میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی

قباحت یہ ہے کہ مرد منگتا بن جاتا ہے اور وہ لڑکی والوں سے فرمائشی سامان طلب کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عورتوں پر قوام بنایا ہے اور اس کی دو وجہیں بیان فرمائیں ہیں:
ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جسمانی اور دماغی قوت وصلاحیت میں عورت سے ممتاز کیا ہے۔
دوسری یہ کہ وہ عورت پر اپنا مال خرچ کرنے والا ہے۔ یہ مال خرچ کرنا کیا ہے؟ عورت کو مہر دینا۔ اس کے نان ونفقہ کا انتظام کرنا اور شادی کے بھی بیشتر اخراجات برداشت کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں مرد کو ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن لڑکی یا لڑکی کے والدین پر کوئی خرچ نہیں ڈالا گیا۔ بنابریں مرد کی طرف سے جہیز کا مطالبہ کرنا اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی خلاف ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت جو مشہور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جہیز کے طور پر کچھ سامان دیا تھا، یہ یکسر غلط ہے، اس معنیٰ میں جہیز کا لفظ ہی قرآن یا حدیث میں موجود نہیں ہے حضرت فاطمہ کو جو کچھ دیا گیا اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی گھربار نہیں تھا۔ نبی کریم ہی ان کے کفیل تھے، آپ کے پاس ہی ان کی پرورش ہوئی۔ جب آپ نے اپنی لخت جگر کے ساتھ ہی ان کا نکاح بھی کردیا تو گھر بسانے کے لیے چند چیزیں آپ نے انہیں عطا فرمائیں اور وہ حسب ذیل تھیں:

ایک چادر، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک چکی، ایک مشک اور دو مٹکے۔[البداية والنهاية (ج٦ ص٣٣٧)]

اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ ساری چیزیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی ایک چادر (زرہ) فروخت کرکے خریدی تھیں گویا یہ سامان بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی رقم سے تیار ہوا۔ یہ ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی اصل حقیقت۔ اس کا اور ہمارے مروجہ جہیز کا تقابل کرلیں، ان کے درمیان کیا نسبت ہے؟ کیا اس سے ہمارے مروجہ جہیز کا اثبات ہوتا ہے؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ ان کا آپس میں کوئی تقابل ہی نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں، اپنی اولاد کو عطیہ یا ہبہ دینا کوئی بری بات تو نہیں۔ یقیناً یہ بات تو صحیح ہے۔ اپنی اولاد کو عطیے یا ہبے کے طور پر دینا جائز بلکہ مستحب ہے لیکن عطیہ یا ہبہ تو دل کی خوشی سے دیا جاتا ہے۔

دوسرے، اپنی طاقت کے مطابق دیا جاتا ہے۔

تیسرے، اس میں کسی کا دباؤ نہیں ہوتا۔

چوتھے، اسے وراثت کا بدل نہیں سمجھا جاتا۔

تو کیا جہیز میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں؟!

ہمارے مروجہ جہیز میں تو ہدیہ یا ہبہ والی مذکورہ چیزیں بالکل نہیں پائی جاتیں۔ اس کو تو شادی کا لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے، کسی کے پاس طاقت ہے یا نہیں؟ اس سے کسی کو کوئی غرض نہیں۔ بھاری بھر کم جہیز ضرور ہونا چاہیے۔ نہیں تو سسرال میں لڑکی کا جینا دو بھر کر دیا جائے گا۔ اس دباؤ اور مجبوری کی وجہ سے ہر شخص کو بھاری مقدار میں جہیز مہیا کر کے دینا پڑتا ہے۔ چاہے اس کے بعد وہ ساری عمر قرض کے بوجھ تلے دب کر کراہتا رہے......!!

بہر حال جہیز کے بارے میں معتدل موقف یہی ہے کہ ماں باپ اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا یا زیادہ کچھ دیں تو یہ یقیناً ایک جائز عمل ہے، لیکن

اس میں ایک تو معاشرے کا دباؤ یا لڑکے والوں کی طرف سے مطالبہ نہ ہو۔

دوسرا، اسے وراثت سے محروم کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

تیسرا، شادی کے موقع پر کچھ نہ دیا جائے، بعد میں حسب ضرورت اس سے تعاون کر دیا جائے تو پھر شاید اس کا جواز نکل آئے اور اسے ہندووانہ رسم قرار نہ دیا جا سکے۔

["مسنون نکاح اور شادی بیاہ کے رسومات" از حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ص ٤١ تا ٤٣ ۔ مطبوعہ دار السلام۔ لاہور]

مروجہ جھیز ایک معاشرتی لعنت ھے !

مولانا مبشر احمد ربانی صاحب حفظہ اللہ: مفتی جماعۃ الدعوۃ پاکستان

سوال: جہیز کا اسلامی شریعت میں کیا تصور ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔[**سائل : زاھد۔ وزیرآباد**]

جواب : شادی سے قبل رشہ کی بات چیت کے وقت لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کے سرپرستوں سے کسی بھی چیز کا مطالبہ کرنا خواہ وہ جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کی صورت میں ہو یا نقدی اور مختلف سامان کی صورت میں ہو اور رشتہ کی منظوری کو اس پر معلق وموقوف کرنا شرعاً ناجائز ہے۔اسی طرح لڑکی والوں کی طرف سے پیش قدمی کرتے ہوئے لڑکے والوں سے یہ کہنا کہ اگر آپ یہ رشتہ منظور کرلیں تو ہم جہیز میں نقد اور فلاں فلاں اشیاء دیں گے سراسر غلط اور شریعت کے خلاف ہے اس لین دین کی رسم کا نام چاہے جو بھی رکھا جائے یہ شرعاً ناجائز اور واجب الترک ہے اس کی کئی وجوہات ہیں:

۱)...... ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ پر عمل کرنا اور زندگی کے تمام معاملات کو آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر رکھنا ضروری ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا﴾[الاحزاب۔۲۱]

''تم میں سے جو کوئی اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتا ہے اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔''

پھر آپ ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسوۂ حسنہ عملی نمونہ ہے جس کی پیروی اور اتباع واقتداء سب کے لیے ضروری ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کے تمام افعال، ختنہ، عقیقہ، منگنی اور شادی وغیرہ کی تقریبات کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے انجام دیا ہے لیکن ان کے ایام ہائے زندگی میں یہ رسومات اور مطالبات ہمیں نہیں ملتے۔ غرضیکہ شرع میں اس کا وجود تک نہیں ہے۔

۲)...... ہر مسلمان کے لیے شریعت مطہرہ میں شادی کے موقع پر یا رشتہ طے کرتے وقت یا شادی کے بعد لڑکی والوں پر کسی قسم کا خرچ اور بوجھ نہیں رکھا گیا۔ بلکہ یہ سارا بوجھ لڑکی کا لڑکے پر رکھا گیا ہے کہ یہ اس کو ضروریات زندگی کے اسباب مہیا کرے اس لیے شوہر کو قرآن میں قوام کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ [النسآء۔ ٣٤]

''مرد، عورتوں پر حاکم ہیں اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس واسطے بھی کہ خرچ کیے ہیں انہوں نے اپنے مال''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نان ونفقہ، مہر وغیرہ تمام اخراجات بذمہ مرد ہیں بس لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کے سرپرستوں سے کسی مال ومتاع کا مطالبہ شریعت کی منشا کے خلاف ہے۔

۳)...... ہندو مذہب میں لڑکی کو والدین سے وراثت نہیں ملتی اس لیے لڑکے والے چاہتے ہیں کہ جیسے بھی ہو اور جس شکل میں بھی ہو لڑکی والوں سے زیادہ سے زیادہ مال ومتاع حاصل کر لیا جائے اس لیے وہ شادی کے موقع پر مذکورہ مطالبہ کرتے ہیں اور لڑکی والے ان کے مطالبہ کو پورا کرتے ہیں ان ہی کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی اپنی بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرتے ہیں حالانکہ وراثت کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کا حکم اور قرآن نے انہیں

حدود اللہ کہا ہے اور اس کے ادا کرنے پر فوز عظیم کی خوشخبری سنائی ہے اور وراثت سے محروم کرنے پر ہمیشہ جہنم میں رہنے کی وعید فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾[النسآء۔۱۳، ۱۴]

''یہ اللہ کی حدیں ہیں جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اس کو وہ (اللہ) ایسی جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا تو وہ (اللہ) اسے جہنم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ وراثت کو ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ہے اور جو لوگ اس کی ادائیگی نہیں کرتے وہ اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے ابدی جہنم کی وعید ہے اور جہیز درحقیقت وراثت کی نفی ہے۔

۴)......ان وجوہات کے علاوہ جہیز کے نقصانات اس قدر ہیں کہ عام طور پر غریب لوگوں کی بیٹیوں کا نکاح جہیز کی ادائیگی نہ ہونے کی وجہ سے منعقد ہی نہیں ہوتا اور نوجوان لڑکیاں اسی طرح گھر میں بیٹھ کر اپنی عمر برباد کر دیتی ہیں اور کئی لڑکیاں نکاح نہ ہونے کے باعث مختلف جرائم کا شکار ہو جاتی ہیں جس کے معاشرے پر بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خلافِ شرع کاموں سے محفوظ رکھے اور جہیز جیسی لعنت سے بچنے کی توفیق بخشے۔[ماهنامه "مجلة الدعوة" (اکتوبر ۱۹۹۲ء) نیز دیکھئے: "آپ کے مسائل اوران کا حل" از ابوالحسن مبشر احمد ربانی (جلد اول، صفحه ۳۴۴ تا ۳۴۶)]

مطبوعات مبشر اکیڈمی لاہور پاکستان

نمبر شمار	نام کتاب	قیمت	صفحات
1	قیامت کی نشانیاں................................	150	424
2	پیش گوئیوں کی حقیقت (اور عصر حاضر میں انکی تعبیر کا منہج)	150	352
3	عاملوں، جادوگروں اور جنات کا پوسٹمارٹم (مع روحانی علاج معالجہ)	160	456
4	جادو، جنات اور نظر بد کا توڑ (از ابن تیمیہؒ).........	56	136
5	اسلام میں تصور جہاد................................	160	480
6	جہاد اور دہشت گردی................................	150	428
7	اللہ اور انسان................................	80	184
8	انسان اور شیطان................................	90	248
9	انسان اور فرشتے................................	60	160
10	نماز نبوی (باتصویر)................................	50	100
11	ھدیۃ العروس (از دواجی و خانگی احکام و مسائل)........	210	600
12	جہیز کی تباہ کاریاں................................	60	136
13	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور موجودہ مسلمان!................	45	104
14	کیا موسیقی حرام نہیں؟!................................		زیر طبع
15	جدید فقہی مسائل................................		زیر طبع
16	والدین اور اولاد................................		زیر طبع

جہیز کی تباہ کاریاں

جہیز، کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد شادیاں کیں، لیکن آپ کی ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ جہیز لے کر نہیں آئی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں، آپ نے چاروں کی شادیاں کیں، لیکن آپ نے کسی کو بھی شادی کے موقع پر جہیز نہیں دیا...... حضرت فاطمہؓ کی بابت جو مشہور ہے کہ نبی اکرمؐ نے ان کو جہیز کے طور پر کچھ سامان دیا تھا، یہ یکسر غلط ہے...... حضرت فاطمہؓ کو جو کچھ دیا گیا اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ حضرت علیؓ کا اپنا کوئی گھر بار نہیں تھا۔ نبی کریمؐ ہی ان کے کفیل تھے، آپ کے پاس ہی ان کی پرورش ہوئی۔ جب آپ نے اپنی لخت جگر کے ساتھ ہی ان کا نکاح بھی کر دیا تو گھر بسانے کے لیے چند چیزیں آپ نے انہیں عطا فرمائیں...... اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ ساری چیزیں نبی اکرمؐ نے حضرت علیؓ ہی کی ایک چادر (زرہ) فروخت کر کے خریدی تھیں گویا یہ سامان بھی حضرت علیؓ ہی کی رقم سے تیار ہوا...... متعدد قباحتیں جو جہیز میں پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک بڑی قباحت یہ ہے کہ مرد منگتا بن جاتا ہے اور وہ لڑکی والوں سے فرمائشی سامان طلب کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عورتوں پر قوام بنایا ہے...... لیکن لڑکی یا لڑکی کے والدین پر کوئی خرچ نہیں ڈالا گیا۔ بنابریں مرد کی طرف سے جہیز کا مطالبہ کرنا اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی خلاف ہے۔

(مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف صاحب)

شرعی اعتبار سے جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے ہوئے اسے کوئی تحفہ دینا چاہے تو دے دے...... لیکن یہ شادی کے لیے کوئی لازمی شرط ہے نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں یا اگر کسی لڑکی کو جہیز نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو اس پر برا منائیں یا لڑکی کو مطعون کریں اور نہ یہ کوئی دکھاوے کی چیز ہے کہ شادی کے موقع پر اس کی نمائش کر کے اپنی شان کا اظہار کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہمارے معاشرے میں جو غلط تصورات پھیلے ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

[1] جہیز کو لڑکی کی شادی کے لئے لازمی شرط سمجھا جاتا ہے، چنانچہ جب تک جہیز دینے کے لیے پیسے نہ ہوں لڑکی کی شادی نہیں کی جاتی...... [2] جہیز کی مقدار اور اس کے لیے لازمی اشیاء کی فہرست میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اب جہیز محض ایک بیٹی کے لیے باپ کا تحفہ نہیں ہے جو وہ اپنی خوش دلی سے اپنی استطاعت کی حد میں رہ کر دے بلکہ معاشرے کا ایک جبر ہے...... [3] جہیز کی نمائش کی رسم نے یہ بھی ضروری قرار دے دیا ہے کہ جہیز ایسا ہو جو ہر دیکھنے والے کو خوش کر سکے...... [4] جہیز کے سلسلے میں سب سے گھٹیا بات یہ ہے کہ لڑکی کا شوہر یا اس کے سسرال کے لوگ جہیز پر نظر رکھتے ہیں۔ بعض جگہ تو شاندار جہیز کا مطالبہ پوری ڈھٹائی سے کیا جاتا ہے اور بعض جگہ اگر صریح مطالبہ نہ ہو تب بھی توقعات یہ باندھی جاتی ہیں کہ دلہن بہت سا جہیز لے کر آئے گی اور اگر یہ توقعات پوری نہ ہوں تو لڑکی کو طعنے دے دے کر اس کی ناک میں دم کر دیا جاتا ہے۔

(مفتی تقی عثمانی صاحب (ر) جسٹس، وفاقی شرعی عدالت پاکستان)